2

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

10 تا 16 جنوری 2008ء/30 ذوالحجہ 1428ھ تا 6 محرم 1429ھ

www.tanzeem.org

ظلم کا خاتمہ اور عدل کا قیام

ظلم کسی بھی حالت میں قابلِ قبول نہیں ہے۔ ظالم فرد ہو یا جماعت، عوام ہوں یا حکومت، ظلم کا ساتھ کسی صورت میں بھی نہیں دیا جا سکتا۔ ظالم کے ساتھ تعاون کرنے والا بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ظلم میں برابر کا شریک ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے حق کو دبانے کے لئے باطل کا ساتھ دیا اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس سے برأت و بیزاری کا عام اعلان ہے۔''

صحابیٔ رسول ﷺ حضرت عمر بن سعدؓ نے اسلام کی کتنی خوشنما تعریف کی ہے! فرماتے ہیں ''اسلام ایک ناقابلِ شکست فصیل ہے اور مضبوط دروازہ! اسلام کی فصیل اس کا عدل وانصاف ہے اور اس کا دروازہ حق وصداقت! اگر یہ فصیل گر جائے اور یہ دروازہ ٹوٹ جائے تو اسلام مغلوب ہو جائے گا۔ جب تک سلطان مضبوط ہوگا، اسلام غالب رہے گا اور سلطان کی مضبوطی تلوار اور کوڑے کی بدولت نہیں ہوتی بلکہ اس کی مضبوطی کا راز حق وانصاف اور عدل ومساوات میں پنہاں ہے۔''

سچی بات یہ ہے کہ جس قوم میں ظلم وستم عام ہو جائے وہ ہر لحاظ سے پستی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور جس قوم میں عدل وانصاف کا بول بالا ہو وہ ہر میدان میں سرخرو ہوتی ہے۔

عمرؓ بن الخطاب
سید عمر تلمسانی

اس شمارے میں

نوجوانانِ پاکستان سے اپیل

شبہات سے اجتناب

ہمارے دشمنوں کا ہدف......

فراستِ نبویؐ کا عظیم شاہکار

حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت

بے نظیر کا قتل، خدشات وامکانات

احیائے اسلام اور تنظیمات

امید کا چراغ

تیرے غضب سے تیری رحمت کی پناہ

دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

الھدیٰ (303)

سورۃ الانعام

(آیات: 79 تا 83)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿٧٩﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَاۗجُّوْۗنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّیْ شَيْـــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾﴾

’’میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو اُنہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو۔ اُس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو، میں اُن سے نہیں ڈرتا۔ ہاں جو میرا پروردگار کچھ چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے۔ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جبکہ تم اِس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو، جس کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے، اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ)۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا اُن کے لئے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُن کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے۔‘‘

قوم کے سامنے شرک سے بیزاری کا اظہار کرنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ اعلان کرتے ہیں کہ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اُس ہستی کی طرف کر لیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں قطعاً مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اس پر قوم نے سخت ردعمل کا مظاہرہ کیا اور حجت بازی شروع کر دی کہ تم نے یہ کیا بات کر دی۔ تم نے ہماری ساری دیویوں اور ستاروں کا انکار کر کے ہر چیز کی نفی کر دی۔ اس طرح تم نے ہمارے دیوی، دیوتاؤں اور ستاروں کی توہین کی ہے، تو اب تیار ہو جاؤ، تمہارے اوپر شامت آئے گی۔ اس پر آپؑ نے فرمایا، کیا تم اللہ کے معاملے میں میرے ساتھ حجت بازی کر رہے ہو جبکہ اللہ نے مجھے ہدایت دے دی اور مجھے اُن ہستیوں کا کوئی خوف نہیں جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو۔ تمہاری کسی دیوی، دیوتے یا کسی ستارے کی نحوست کا مجھے کوئی ڈر نہیں جن کا تم مجھے ڈراوا دے رہے ہو۔ ہاں میرا رب ہی چاہے کہ مجھے آزمائش میں ڈال دے، تو یہ اور بات ہے۔ یقیناً میرا رب علم کے اعتبار سے ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا پس تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ میں کیسے ڈروں اُن سے جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے اور جن کے لئے اللہ نے کوئی سند اور دلیل نازل نہیں کی۔ ان کی بنیاد نہ تو عقل انسانی میں ہے نہ فطرت میں اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب میں اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کی گنجائش ہے۔ پس اگر تم علم رکھتے ہو تو بتاؤ کہ دونوں فریقوں میں سے چین، سکون اور امن کس کو حاصل ہے۔ اُس کو جو موحد ہے اور ساری قوت اور اقتدار کا مالک اللہ ہی کو سمجھتا ہے یا اُس کو جو اللہ کو ماننے کے ساتھ سینکڑوں دیوی، دیوتاؤں کا پجاری بھی ہے؟

سنو، یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو کسی طرح کے شرک کے ساتھ آلودہ نہ ہونے دیں، ایسے ہی لوگ امن میں ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ امن، ایمان اور اسلام کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مہینے کے آغاز میں جب نیا چاند دیکھتے تو اس طرح دعا مانگتے: ’’اللھم اھلہ علینا بالامن و الایمان و السلامۃ و الا سلام‘‘ ’’اے اللہ! اِس چاند کو ہم پر طلوع فرما، امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ‘‘۔ یہاں ’’لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ‘‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ ظلم چھوٹے گناہ کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی لئے جب یہ آیت اتری تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کون شخص ایسا ہوگا جس نے کبھی کسی دوسرے پر یا اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہوگا۔ اس پر آپؐ نے سورۃ لقمان کی آیت ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ پڑھ کر وضاحت کی کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ اس وضاحت سے صحابہؓ کو اطمینان ہوا۔

یہ ہماری وہ حجت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی قوم کے خلاف عطا کی۔ اور ابراہیمؑ کا جو بیان گزرا وہ ایک قسم کا توریہ ہے۔ توریہ جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ کہنے والا بات اس انداز میں کرتا ہے کہ سننے والا مغالطے میں پڑ جاتا ہے مثلاً حضرت شیخ الہندؒ کا واقعہ ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ اُن کے وارنٹ گرفتاری نکلے ہوئے تھے اور انگریزوں کو مطلوب تھے۔ چنانچہ شریف حسین والیٔ مکہ کے سپاہی اُن کی تلاش میں نکلے اور عین آپ کے پاس پہنچ کر کہنے لگے کہ ہندوستانی باغی مولوی محمود الحسن کو جانتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا، ہاں جانتا ہوں۔ پوچھا، کہاں ہے؟ اس پر آپ اپنی جگہ سے چند قدم ہٹے اور کہا، بس ابھی یہاں تھا۔ یہ سن کر وہ سپاہی تلاش میں دوڑے۔ اتنے میں آپ وہاں سے نکل گئے۔ آپ نے بالکل سچ کہا مگر سننے والے کو مغالطہ ہوا۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے کلام میں بھی توریہ کا انداز تھا۔ یہی انداز آپ نے اُس وقت بھی اختیار کیا جب آپ نے بتوں کو توڑا اور کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ وہاں آپ سے پوچھا گیا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام تم نے کیا ہے تو آپ نے کہا نہیں یہ ان کے بڑے نے کیا ہے سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔ آگے فرمایا: ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں یعنی ہم نے ابراہیمؑ کے درجات بلند کئے۔ یقیناً تیرا رب حکیم اور علیم ہے۔

فرمان نبویؐ

نرم مزاجی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ اُعْطِیَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ اُعْطِیَ حَظَّهٗ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهٗ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ)) (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا اور جس کو نرمی نصیب نہیں ہوئی، وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔‘‘

"تا خلافت کی بِنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — 10 تا 16 جنوری 2008ء — شمارہ 2
30 ذوالحجہ 1428ھ تا 6 محرم الحرام 1429ھ

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور۔ 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔ 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوجوانانِ پاکستان سے اپیل!

کیا کبھی آپ نے دیکھا کہ کسی گھر میں جواں سال مریض جان کنی کی حالت میں پڑا ہو، اُس کی نبض ڈوب رہی ہو۔ ڈاکٹر کے چہرے سے مایوسی ٹپک رہی ہو۔ وہ بار بار نفی میں سر ہلا رہا ہو۔ کبھی ایک نسخہ تجویز کر رہا ہو اور کبھی دوسرا، اور گھر والوں سے دعا کے لئے کہہ رہا ہو۔ لیکن اُس گھر کے مکین دوا اور علاج کے لئے دوڑ دھوپ کرنے کی بجائے اور اللہ سے مریض کی شفا اور صحت یابی کے لئے گڑگڑا کر دعائیں کرنے کی بجائے، راگ رنگ میں مصروف ہوں یا ٹیلی ویژن پر کرکٹ میچ دیکھتے ہوئے تالیاں پیٹ رہے ہوں یا گھر میں رنگا رنگ تقریبات منعقد کر رہے ہوں یا سیر و تفریح اور پکنک منانے کا پروگرام بنا رہے ہوں۔ اگر اہلِ خانہ کی ذہنی حالت درست ہے تو ایسا ہرگز ہرگز ممکن نہیں۔ کوئی قوم 60 سال کی عمر کو پہنچے تو وہ اُس کی بھرپور جوانی بلکہ نوجوانی کی عمر ہے۔ جیسے چین اور بھارت اِس عمر کو پہنچے ہیں تو اُن کی توانائی عالمی سطح پر محسوس کی جا رہی ہے، جبکہ جوان سال پاکستان انتہائی لاغر اور کمزور حالت میں بستر پر پڑا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اُس کا خون نچوڑا جا چکا ہے۔ اُس کی ہڈیوں کا گودا نکالا جا چکا ہے یا اِس کو کوئی ایسا موذی مرض لاحق ہو گیا ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں۔ دنیا جہاں اور خود پاکستان کے اندر سے یہ آوازیں اُٹھ رہی ہیں کہ اب بچتا نظر نہیں آتا۔ عالمی سطح پر ایک انتہائی طاقتور اتحاد اپنے دانت تیز کر رہا ہے۔ سفید سامراج پاکستان کے اندر کارروائی کرنے کی باتیں سرکاری سطح پر کر رہا ہے لیکن گردن گھما کر دیکھیں، کوئی اضطراب، بے چینی، بے قراری، کوئی تشویش یا کم از کم پریشانی ہی آپ کو محسوس ہوتی ہے؟ شادیوں کا موسم ہے، شادیانے بج رہے ہیں۔ واپڈا کی پھیلائی ہوئی تاریکی کو جنریٹروں کی گڑگڑاہٹ سے روشنی میں بدلا جا رہا ہے۔ دھن کمانے اور اندھا دھند کمانے کا موسم تو 60 سال سے یکساں ہے، اُس کے بدلنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ حرام حلال پرانے زمانے کی کہانیاں ہیں۔ بے حیائی اور بدکرداری کو روشن خیالی کا لباس پہنا دیا گیا ہے۔ جشنِ آزادی پر صدرِ محترم بھی ناچتے ہیں۔

یہ اُس پاکستان کی کہانی ہے جسے دشمن نے 1971ء میں وار کر کے دولخت کر دیا تھا۔ اب وہی دشمن عالمی اتحاد کی صورت اختیار کر کے بدترین وار کرنے کی تیاریوں کو آخری شکل دے رہا ہے۔ لیکن ہم باہم دست و گریبان ہیں۔ ہم دولت کی دیوی کے پجاری بن چکے ہیں۔ اسی کے آگے سربسجود ہیں۔ دائیں بائیں کیا ہو رہا ہے، ہمیں کچھ غرض نہیں۔ ہاں کچھ دانشور ڈرائنگ رومز میں بیٹھ کر کسی قدر تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن متوقع تباہی و بربادی سے محض اظہارِ تشویش سے بچا نہیں جا سکتا، اِس کے لئے قوم کے ہر فرد خصوصاً نوجوانانِ پاکستان کو اُٹھ کھڑا ہونا ہو گا۔ ابھی مہلت ہے، ابھی مریض کے رکتے ہوئے سانس کو بحال کیا جا سکتا ہے۔ جوش اور ہوش دونوں کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے مل بیٹھ کر کوئی لائحہ عمل طے کرنا ہو گا۔ ماضی پر نگاہ ڈالنی ہو گی۔ کہاں سے ڈی ٹریک ہوئے۔ کیوں کج راہ ہوئے۔ مرض کی درست تشخیص ہو پھر علاج کے لئے نسخہ تجویز ہو۔

ہماری رائے میں استحکامِ پاکستان کے لئے تحریکِ پاکستان جیسا عزم لیکن انداز مختلف اپنانا ہو گا۔ قیامِ پاکستان کے لئے مسلمان ووٹ کی ضرورت تھی۔ متقی پرہیز گار اور فاسق و فاجر مسلمان کا ووٹ ایک جیسا تھا۔ لہٰذا زبان کی نوک پر آئے ہوئے اِس نعرہ سے کام چل گیا: "پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ"۔ دفاعِ پاکستان اور استحکامِ پاکستان کے لئے لا الٰہ الا اللہ میں "محمد رسول اللہ" کا اضافہ بھی کرنا ہو گا۔ اِسے ذہنی اور قلبی طور پر تسلیم کرنا ہو گا اور اِسے عملی شکل بھی دینا ہو گی، جیسے کوئی انسان مسلمان تو صرف کلمہ طیبہ پڑھنے سے ہو جاتا ہے لیکن اچھا مسلمان اللہ اور رسول کے احکامات کی پابندی کے بغیر نہیں بن سکتا۔ ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کو بچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر توبہ کی جائے۔ ہر پاکستانی مسلمان اپنی ذات پر بھی اسلام نافذ کرے اور جس مقصد کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا یعنی ایک اسلامی فلاحی جمہوری ریاست قائم کی جائے گی اُس مقصد کے لئے تن من دھن لگا دے۔ اگر ہم نفاذِ اسلام میں کامیاب ہو جائیں اور دنیا کو اسلامی ریاست کا ایک نمونہ دکھا دیں تو پاکستان نہ صرف جانبر ہو جائے گا بلکہ ایک قوت بن کر ابھرے گا، ان شاء اللہ۔ (باقی صفحہ 7 پر)

لینن

(خُدا کے حضُور میں)

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت! احساسِ مروّت کو کُچل دیتے ہیں آلات!
آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات
میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات
چہروں پہ جو سُرخی نظر آتی ہے سرِ شام یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے، مگر تیرے جہاں میں ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈُوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟ دُنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات!

17۔ یہ شعر سابقہ شعر کے منظر کے حوالے سے دیکھنا چاہیے۔ سابقہ شعر یہ ہے:

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات!

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ یورپ نے صنعتی ترقی کے لیے نت نئی مشینوں کی ایجاد سے صنعت وحرفت اور ٹیکنالوجی میں اجارہ داری تو قائم کر لی، لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانوں کے دل فولاد اور لوہے کی طرح سنگ دل اور بے حس ہو گئے اور خود بھی مشین بن گئے۔ چنانچہ یہ حقیقت سامنے آئی کہ انسانی ہمدردی کے ساتھ مروت اور احسان کے احساسات بھی اِن مشینوں کی زد میں آ کر کچلے گئے، یعنی انسان خود بھی فولادی مشینوں کی مانند بے حس ہو گیا۔

18۔ تاہم سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ذریعے یورپ میں جس طرح کی مادی اور مصنوعی زندگی بروئے کار آئی ہے، اُس کی ناکامی کے اثرات و آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اور یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ تقدیر بالآخر انسانی تدبیروں کو شکست دینے میں پھر سے کامیاب ہو گئی ہے، جس کا اندازہ اِس حقیقت سے ہوتا ہے کہ استعمار پرستوں نے جو سرمایہ دارانہ صنعتی نظام قائم کیا تھا، وہ اب شکست و ریخت سے دوچار نظر آتا ہے۔ اس نظام کا مقصد محض دولت کا ارتکاز اور پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ قوموں کو لوٹ کر مزید انحطاط سے دوچار کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ خود یورپ میں محنت کشوں میں بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اُن کو احساس ہو چکا ہے کہ صنعت کار اور سرمایہ دار اُن کی محنت سے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں اور وہ خود افلاس کی چکی میں بُری طرح سے پستے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اُن کی صفوں میں ہلچل پیدا ہو چکی ہے اور شدید ردِ عمل کا آغاز ہو چکا ہے۔

19۔ یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام بے شک کچھ عرصے تک تو کامیابی سے چلتا رہا، لیکن چونکہ اُس کی بنیاد مستحکم نہ تھی، اس لیے اب بُری طرح سے انتشار و خلفشار سے دوچار ہے۔ چنانچہ اِس نظام کو جاری رکھنے والے خود پریشان ہیں کہ جو صورتِ حال سامنے نظر آ رہی ہے، اُس سے کس طرح عہدہ برآ ہوں۔

20۔ اِس مشینی اور استعماری نظام نے جہاں دوسروں کو متاثر کیا ہے، وہاں خود اس نظام کے مُدّعی اہلِ یورپ کی صحت برباد ہو چکی ہے۔ سرِ شام جب وہ گھر سے بن ٹھن کر نکلتے ہیں تو اُن کے چہروں کی سرخی فطری نہیں، بلکہ اس امر کی غماز ہوتی ہے کہ یا تو اُن کے چہرے شراب نوشی یا پھر مختلف نوعیت کے سُرخی پاؤڈر کے سبب سُرخ ہیں۔ مُراد یہ ہے کہ اُن کی مصنوعی زندگی نے اُن کی ذہنی و جسمانی صحت کو گھُن کی طرح چاٹ لیا ہے اور اب جو چہروں پر سُرخی نظر آتی ہے، وہ فطری نہیں، بلکہ مصنوعی ہے۔

21۔ نظم کے آخری دو اشعار میں لہجہ نسبتاً زیادہ تلخ نظر آتا ہے۔ اِس شعر میں باری تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بے شک تجھے کائنات کی ہر شے پر قدرت حاصل ہے اور تُو عادل و منصف بھی ہے، اِس کے باوجود اتنا بتا دے کہ تیری دنیا میں مزدوروں اور محنت کشوں کی زندگیوں میں تلخیاں کیوں بھری ہوئی ہیں۔ انہیں اطمینانِ قلب کیوں نصیب نہیں ہوتا؟

22۔ لینن کہتا ہے کہ اے خدا مجھے اب اتنا بتا دے کہ سرمایہ دارانہ اور استعماری نظام کب تباہ ہو گا۔ اب تو ساری دنیا اِس ضمن میں روزِ مکافات کی منتظر ہے۔ بے شک ظالم کی رسی دراز ہے، لیکن بالآخر ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب تیرا عذاب اس پر نازل ہوتا ہے۔ استعماری نظام اب ظلم کی انتہا تک پہنچ گیا ہے۔ اس پر تیرا عذاب کب نازل ہو گا؟ اور دنیا بھر کے لوگ اِس ظالمانہ نظام سے کب نجات پا سکیں گے؟

شبہات سے اجتناب اور لغو کاموں سے پرہیز

نبی اکرم ﷺ کی دو مختصر مگر حد درجہ جامع احادیث کی تشریح

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے 4 جنوری 2008 کے خطاب جمعہ کی تلخیص

(خطبہ مسنونہ ، تلاوت آیات اور زیر درس احادیث مبارکہ کے بیان کے بعد)

حضرات!

مجھے آج درس حدیث کے سلسلے کو آگے بڑھانا ہے۔ آپ کے سامنے دو احادیث بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ یہ دونوں احادیث مختصر ہیں، اس لئے آج کی نشست میں ان دونوں کا مطالعہ کریں گے، ان شاء اللہ۔ ان احادیث سے متعلقہ جو آیات قرآنی میں نے تلاوت کی ہیں اُن کا مضمون تقویٰ ہے۔ اِن آیات میں پہلی آیت جو میرے نزدیک قرآن مجید میں تقویٰ کے ضمن میں سب سے تاکیدی اور گاڑھی آیت ہے، وہ سورۃ آل عمران کی آیت 102 ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ ﴾

”اے ایمان والو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، جتنا کہ اُس کے تقویٰ کا حق ہے۔“

صحابہ کرامؓ یہ سن کر گھبرا گئے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ! اِس پر کون پورا اُترے گا۔ یعنی کون ہے جو تقویٰ کا حق ادا کر دے۔ اِس کے بعد جب سورۃ التغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ”اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تمہاری استطاعت میں ہے“ تو اِس پر صحابہ کرامؓ کو اطمینان ہوا، کہ اپنی امکانی حد تک تقویٰ ہم اختیار کر سکتے ہیں۔ تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اِس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے۔

((اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ بِتَقْوَی اللّٰہِ))

”میں تمہیں اور اپنے آپ کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔“

اب آیئے، احادیث رسول ﷺ کی طرف!

پہلی حدیث جو میں نے آپ کو سنائی ہے اُس کے راوی حضرت حسنؓ ہیں، جو نبی کریم ﷺ کے نواسے اور حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں۔ فرماتے ہیں:

حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ((دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یَرِیْبُکَ))

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات (سُن کر) یاد کر لی (یعنی اُسے حرزِ جان بنالیا) کہ ”اُس چیز کو چھوڑ دو جو تمہارے دل میں شک پیدا کرے اور اُس چیز کو اختیار کرو جو تمہارے اندر ریب پیدا نہ کرے۔“

یہ حدیث حد درجہ اہمیت کی حامل ہے۔ اِس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کا ضمیر صحیح فتویٰ دیتا ہے، بشرطیکہ اُس کے اندر نورِ ایمان موجود ہو۔ اگر انسان کا دل واقعی زندہ ہو یعنی اُس میں روحِ خداوندی زندہ ہو تو اُس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ آدمی کو بتا دے کہ کیا بات صحیح ہے اور کیا غلط۔ بالفاظ دیگر انسان کا ضمیر (Conscious) اگر مردہ نہ ہو گیا ہو، تو وہ ضرور آدمی کو اُس کے اچھے یا برے فعل پر متنبہ کرتا ہے۔ فرض کریں، کوئی شخص جذبات کی رو میں بہہ کر، یا غلط ماحول کے اثر سے کوئی غلط کام کر بیٹھا، تو اب اندر ہی اندر اُس کا ضمیر اُسے ملامت کرے گا کہ تو نے کیا کر دیا۔ تمہیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اسی لئے تو بعض اوقات ہم اپنی گفتگو میں کہتے ہیں کہ میرا ضمیر مجھے کاٹ رہا ہے، میرا ضمیر مجھے ڈس رہا ہے...... البتہ اگر انسان مسلسل گناہ کرتا رہے، اپنی غلط روی پر مصر رہے، حرام خوری پر ڈیرے ڈال دے تو پھر بالآخر وہ وقت بھی آ جاتا ہے کہ ضمیر کی روشنی بجھ جاتی ہے، اور اُس میں وہ صلاحیت باقی نہیں رہتی کہ حق و باطل میں فرق کرے اور آدمی کو بُرے کام پر متنبہ کرے۔ جب انسان اِس حال کو پہنچ جائے تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔ اُس کی شخصیت میں کجی آ گئی ہے۔ اُس کے دل کے اوپر سیاہی آ گئی ہے کہ اب اس کی روشنی باہر جا ہی نہیں سکتی۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے ایک لالٹین کہ اُس کے اندر شعلہ ہوتا ہے اور لالٹین کا شیشہ اُس کی روشنی کو ہموار طریقے سے چاروں طرف پھیلاتا ہے۔ لیکن اگر اُس شیشے پر دھواں جم جائے تو پھر روشنی باہر نہیں آ سکتی۔ یہی حال دل کا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> **انسان کا ضمیر اگر مردہ نہ ہو گیا ہو، تو ضرور آدمی کو اس کے برے فعل پر متنبہ کرتا ہے۔ لیکن اگر انسان مسلسل گناہ کرتا رہے، اپنی غلط روی پر مصر رہے، تو بالآخر ضمیر کی روشنی بجھ جاتی ہے، اور اُس میں وہ صلاحیت باقی نہیں رہتی کہ حق و باطل میں فرق کرے اور آدمی کو بُرے کام پر متنبہ کرے**

”مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی التجا و استدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہو کر قلب صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ استغفار کے بجائے مزید گناہ کیے اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے، یہاں تک کہ قلب پر چھا جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ: یہی وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: ﴿کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾“

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

یہی تشبیہ سورۃ نور میں آئی ہے، جہاں نور ایمان کی مثال بیان کی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ﴾ (النور:35)

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی

مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے۔ اور چراغ ایک قندیل میں ہے۔ اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے۔ اُس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے یعنی زیتون۔"

اسی معاملہ کو نبی اکرم ﷺ نے ایک اور سطح پر بھی واضح فرمایا۔ حدیث رسول ﷺ ہے:

((اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ))

(رواہ مسلم)

"اصل نیکی 'حسن اخلاق' ہے، اور جو چیز تیرے دل میں کھٹکے اور تو چاہتا ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو وہ 'گناہ' ہے"۔

یہاں آپؐ نے گناہ کے حوالے سے بتایا کہ گناہ کا پہچاننا مشکل نہیں۔ ہر وہ چیز گناہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکتی ہے۔ اور دوسری چیز جو آپؐ نے یہاں بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ تمہارا وہ کام بھی گناہ ہے کہ جس کے متعلق تم یہ پسند نہ کرو کہ وہ لوگوں کے علم میں آجائے۔ دیکھئے، ایک تو انسان کا انفرادی ضمیر ہے، جو اگر زندہ ہو، اُس میں ایمان کی کوئی رمق موجود ہو تو وہ صحیح غلط کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ لیکن ایک نوع انسانی کا اجتماعی ضمیر ہے۔ انسانیت کا اجتماعی ضمیر بھی صحیح فیصلہ کرتا ہے۔ اگر آپ نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں آپ نہیں چاہتے کہ لوگ اُس سے مطلع ہوں تو سمجھ لیجئے کہ یہ بھی گناہ ہے۔ یہ گویا اجتماعی ضمیر کی بات ہو گئی۔ قرآن حکیم نے نیکی کے لئے 'معروف' اور بدی کے لئے 'منکر' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس میں گہری معنویت موجود ہے۔ معروف 'عرف' سے ہے، جس کے معنی پہچاننے کے ہیں۔ پس معروف وہ بات ہوئی جو جانی پہچانی ہو۔ منکر انکار سے ہے۔ منکر کے معنی وہ شے ہے جس کا انکار کیا گیا ہو۔ منکر ایک غیر معروف چیز ہے، وہ شے کہ جسے انسان پہچان نہیں پاتا۔ گویا نیکی وہ شے ہے جو جانی پہچانی ہے۔ انسان کا اجتماعی ضمیر اُسے اچھا جانتا ہے۔ اس کے برعکس برائی وہ ہے جو فطرت انسان کو پسند نہیں بلکہ قابل رد ہے۔ انسان کا اجتماعی ضمیر اُسے گوارا نہیں کرتا۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ضمیر کے اندر خیر و شر اور فجور و تقویٰ کا علم رکھ دیا ہے۔ الہامی طور پر انسان کی فطرت یہ بات جانتی ہے کہ کیا چیز خیر ہے اور کیا شر ہے، جیسا کہ فرمایا گیا کہ

﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا o﴾ (الشمس:8)

"پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیز گاری کرنے کی سمجھ دی۔"

✿✿✿✿✿✿✿

اب آیئے، دوسری حدیث کی طرف:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ)) (رواہ الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کے اسلام کا حسن اِس میں ہے کہ وہ ہر اُس چیز کو چھوڑ دے جس سے اُسے کوئی فائدہ نہ ہو۔"

یہ حدیث بطورِ خاص غور کے قابل ہے۔ اِس لئے کہ اِس میں اسلام کے حسن و خوبصورتی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حسنِ اسلام ایک تو وہ ہے جس کا تذکرہ حدیث جبرئیل میں ہے، یعنی احسان اور سلوک محمدی ﷺ۔ احسان یہ ہے کہ تم اِس احساس کے ساتھ عبادت کرو گویا اللہ کو دیکھ رہے ہو، یا کم از کم یہ کیفیت ضرور ہونی چاہیے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اللہ کی حضوری کا احساس، اور ایمان جتنا گہرا ہوگا عبادات کا حسن بڑھتا چلا جائے گا۔ نماز دین کا ستون ہے۔ اگر اِس احساس کے ساتھ نماز ادا ہوگی، تو پھر وہ "معراج المومنین" بن جائے گی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
"اصل نیکی 'حسن اخلاق' ہے، اور جو چیز تیرے دل میں کھٹکے اور تو چاہتا ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو وہ 'گناہ' ہے"۔

اِس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حسنِ اسلام میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی، ہر اُس چیز کو ترک کر دے جو اُس کے لئے مفید اور نفع بخش نتیجہ برآمد نہ کرے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ دیکھئے، ہماری یہ زندگی بہت محدود ہے۔ ہماری اوسط عمر ساٹھ ستر سال ہے۔ اِس میں بھی شعوری عمر کا دورانیہ اور بھی کم ہو جاتا ہے۔ اِس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ سورۃ العنکبوت میں فرمایا:

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ o﴾ (آیت:64)

"اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش یہ (لوگ) سمجھتے۔"

اِس مختصر عرصہ زندگی میں ہم جو منصوبہ بندی کرتے اور اعمال کی فصل بوتے ہیں، اُس کے نتائج آخرت کی لامتناہی زندگی میں نکلتے ہیں۔ حدیث میں دنیا کو "مزرعۃ الآخرۃ" کہا گیا ہے۔ یعنی انسان جو کچھ یہاں بوئے گا، آخرت میں وہی کاٹے گا۔ یہاں کانٹے بوئے ہیں، تو وہاں کانٹے کاٹنے پڑیں گے اور اگر یہاں پھلدار درخت اُگائے ہیں، تو وہاں وہی کاٹنے کو ملیں گے۔ یہاں نیکیاں کمائیں تو وہاں اچھی جزا ملے گی اور اگر بدیاں کمائیں تو سخت سزا ملے گی۔ اب ذرا سوچئے، اِس مختصر اور محدود عرصہ زندگی کو، جو نتائج کے اعتبار سے حد درجہ اہم اور انتہائی قیمتی ہے، ضائع کرنا کون گوارا کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ہوش مند اور شعور ایمان سے بہرہ مند شخص یہ پسند نہیں کرے گا کہ اِس محدود زندگی کے دھوکے میں پڑ کر دائمی زندگی کو فراموش کر ڈالے، یہاں کی حیات چند روزہ کو بے مقصد اور غیر مفید کاموں میں ضائع کر دے، وہ کام جو آخرت میں اُسے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں۔ کیونکہ پورے شعور کے ساتھ وہ یہ بات جانتا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی ایک کتاب کے دیباچے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

ہم مسلمان ہیں۔ دنیا کی یہ زندگی امتحان ہے۔ ہمیں اِس عرصہ امتحان کے ہر ہر پل اور ہر ہر لمحہ کی قدر کرنی چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اوقات کو انہی کاموں میں صرف کریں کہ جن سے ہماری دنیا کی کوئی ضرورت پوری ہوتی ہو، یا جن سے ہمیں آخرت میں اجر و ثواب مل سکے۔ وقت کا صحیح مصرف دو ہی چیزیں ہیں۔ یا تو آپ معاش کی جدوجہد کر رہے ہیں، اپنے بال بچوں کے لئے روزی کمانے میں لگے ہیں، یا پھر آخرت کمانے کے لئے سعی و جہد کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ اِن دو صورتوں کے علاوہ کسی اور ایسے کام میں وقت صرف کرنا جس سے دنیا یا آخرت کی بھلائی اور فائدہ نہ ہو ایمان و اسلام کے منافی ہے۔ اور اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو آخرت پر یقین نہیں ہے۔ اِس لئے کہ جو لوگ فی الواقع ایمان رکھتے ہیں اُن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ o وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ o﴾ (المومنون:1تا3)

"بے شک ایمان والے رستگار ہو گئے۔ جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں۔"

اسی طرح سورۃ الفرقان میں عبادالرحمٰن کی صفات کے تذکرہ میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا

بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴾ (آیت: 72)

"اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں۔"

اللہ کے بندے لغو کاموں کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے، کجا یہ کہ خود ان کاموں میں پڑیں۔ اگر اتفاق سے اُن کا گزر وہاں سے ہو جائے، کہ جہاں لوگ لغو کام میں مگن ہوں، تو وہاں سے وہ باعزت گزر جاتے ہیں۔ اُس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ اپنے قیمتی وقت کا ایک منٹ بھی ضائع کرنا انہیں گوارا نہیں ہوتا۔ فرض کیجئے، آپ کہیں جا رہے ہیں، آپ نے دیکھا کہ سڑک پر لوگ جمع ہو رہے ہیں، کوئی مداری ہے، جو کرتب دکھا رہا ہے، کھیل تماشا ہو رہا ہے اور لوگ ہنس رہے ہیں۔ اب اگر آپ اُس کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے وقت کی قدر و قیمت نہ پہچانی۔ آپ سے جو رویہ مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ آپ وہاں سے توجہ کئے بغیر گزر جائیں، اپنا وقت برباد نہ کریں۔ کیونکہ مداری کے کرتب دیکھنے سے نہ تو آپ کو دنیا کا کوئی فائدہ ہوگا اور نہ ہی آخرت میں اجر و ثواب ملے گا۔ یہی حال دنیا کے اور لغو کاموں کا ہے، ایسے کاموں کا ترک کردینا ایمان و اسلام کا تقاضا ہے۔ اس حدیث میں اسی چیز کو حسنِ اسلام قرار دیا گیا اور ہمیں اس جانب متوجہ کیا گیا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی فرماں برداری کی توفیق اور گناہوں اور لغویات سے بچنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ: اداریہ

ہم ایک بار پھر نوجوانانِ پاکستان سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ قیام پاکستان کے بعد سے ہماری قیادت سے نفاذِ اسلام کے حوالے سے جو مجرمانہ کوتاہی ہوئی اُس کا ازالہ کریں۔ ملک کی بقاء و سلامتی کے لئے سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نفاذِ اسلام کی جدوجہد میں شامل ہو جائیں۔ وہ سوچیں اور غور کریں کہ پاکستان کا مستقبل ہی اُن کا مستقبل ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ پاکستان کا مستقبل تاریک ہو اور اُن کا مستقبل روشن ہو جائے۔ جس کسی کو ارضِ پاکستان سے محبت ہے وہ جان لے کہ پاکستان جسم ہے اور اسلام اِس کی روح ہے۔ روح اِس قفس سے پرواز کر گئی تو اس لاشے کو نوچنے کے لئے چیل اور گدھ تیار بیٹھے ہیں۔

سیاست دوراں

اقتدار، اقتدار کا کھیل

مظہر صدیقی

وقت تیزی سے گردش کر رہا ہے۔ وقت کا پہیہ اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وقت کون سی چال چلتا ہے، اب جبکہ ملک میں اقتدار، اقتدار کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ عدم استحکام، سیاسی بے چینی اور امن و امان کی ابتر حالت کے باوجود اقتدار کے کھیل کے کھلاڑی میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ الیکشن سر پہ آیا ہی چاہتا ہے۔ اس سرزمین کی یہ بدقسمتی رہی ہے کہ اس وطن میں لوٹ مار کرنے والوں کو ہمیشہ سازگار ماحول میسر آیا ہے۔ یہ وطن ایسے لوگوں کے لئے کسی بھی طرح جنت سے کم نہیں رہا۔ موجودہ صورت حال میں اقتدار کی رسہ کشی عروج پر ہے۔ وطن کی بقا، سلامتی اور استحکام کے تقاضے فراموش ہو رہے ہیں کیونکہ اقتدار کے کھیل کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ غور کیجئے کہ وہ جو صدر جنرل پرویز مشرف کو دس بار وردی میں صدر منتخب ہوتا دیکھنا چاہتے تھے آج بداعتمادی و بے بسی کے آسمان تلے، بے یقینی کی زمین پر خود کو تنہا و اکیلا محسوس کر رہے ہیں، بے نظیر بھٹو کے قتل اور میدانی سیاست میں میاں نواز شریف کی فعالیت اور مقبولیت کے بعد انہیں اپنے اقتدار کی چولیں ہلتے دکھا دے رہی ہیں۔ ایسے جیسے کسی نے انہیں دیوار سے لگا دیا ہو۔ دیوار سے لگے یہ دیوانے، پروانے اور فرزانے اقتدار کی خواہشات کی تکمیل کے لئے پر تول رہے ہیں۔ ان کے تاحیات باوردی کرم فرما پرویز مشرف کو حالات و واقعات نے مجبور کر دیا کہ وہ وردی اتاریں۔

درحقیقت یہاں کے "بڑے" عوامی اُمنگوں کے برعکس اقتدار و اختیار کے پجاری ہیں۔ انہیں اقتدار، اقتدار کے کھیل سے فرصت ہی نہیں، یہاں کسی کو آرمی چیف کا عہدہ مل رہا ہے تو کوئی سویلین صدر مملکت بننے پر فاتح قرار پا رہا ہے اور کوئی وزیر اعظم بننے کے لئے تمام حدوں کو پھلانگنے کے ساتھ ساتھ دن رات ایک کرنے پر تلے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ کوئی سپیکر قومی اسمبلی بننا چاہتا ہے تو کوئی وزیر اعلیٰ بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اسی طبقے اور گروہ کے تمام لوگ اپنی اپنی جان، مال اور وقت کو اقتدار کی طلب میں کھپاتے نظر آ رہے ہیں۔ یہ لوگ وزارتوں، سیٹوں اور ٹکٹوں کے لئے اپنے پارٹی لیڈروں کے نازنخرے اٹھا رہے ہیں۔ آج ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں، اقتدار کے خواہاں آپ کو عوام کی دہلیز پر کھڑے نظر آئیں گے۔ جیسے بارشوں کے بعد مینڈک نکل آتے ہیں اور کچھ حشرات کو بھی پر لگ جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح آج اقتدار کے پجاری آپ کو گلیوں، محلوں، سڑکوں، مسجدوں، فاتحہ خوانیوں، جنازوں اور قل خوانیوں، میلادوں، ہسپتالوں میں عیادت کرتے اور شادیوں میں شرکت کرتے نظر آئیں گے۔ ان میں سے ہر ایک کو اس کے سیاسی قد و وزن کے مطابق اقتدار میں حصہ ملنا ہے۔ سادہ اور بھولے عوام ووٹ دے کر انہیں پھر سے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں بیٹھنے کا موقع دیں گے۔ پاکستانی عوام کے ساتھ ایک بار پھر مذاق ہونے جا رہا ہے۔ یہ سیاستدان عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر اقتدار کے مزے لوٹیں گے اور اپنی عیش و عشرت کا سامان کریں گے۔

دیکھا جائے تو ہم سب اپنی اپنی خواہشوں، آرزوؤں اور تمناؤں کے غلام ہیں۔ کسی کے سینے میں چھوٹی چھوٹی خواہشیں جنم لیتی ہیں تو کوئی اپنی آنکھوں میں بڑی بڑی خواہشوں اور آرزوؤں کے سپنے سجائے رکھتا ہے۔ کسی کی خواہش ایک چھوٹا سا ذاتی مکان، چھوٹا سا کاروبار یا نوکری، بچوں کا مستقبل اور اچھا بڑھاپا ہوتی ہے تو کوئی دوسرا بڑے بنگلے، ڈھیر ساری اراضی، بڑے عہدے اور اقتدار کی اعلیٰ مسند کے حصول جیسی بڑی خواہشات کے لئے جان کھپا دیتا ہے۔ وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اعلیٰ عہدوں پر دو شخصیات فائز ہو چکی ہیں۔ سویلین صدر کا عہدہ پرویز مشرف نے سنبھالا ہے، جو پانچ سال کے لئے اس عہدے پر فائز ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہمیں ایسا ہوتا نظر نہیں آتا کیونکہ عوام سمجھتے ہیں کہ مشرف بطور آرمی چیف اس ملک کے نظم و نسق کو بگاڑ کی راہ کی طرف دھکیل گئے ہیں۔ ملک میں تمام بحرانوں اور پیچیدگیوں کے ذمہ دار پرویز مشرف ہیں۔ وطن عزیز کی دوسری اعلیٰ مسند پر جنرل اشفاق کیانی فائز ہوئے ہیں۔ انہوں نے پاک فوج کے چیف کی کمان سنبھالی ہے اور وہ اپنے عہدے پر نومبر 2010ء تک رہیں گے۔ پاک فوج، دنیا کی بہترین فوج سمجھی جاتی ہے۔ اور فوج کو ملک کی بقا، سلامتی اور قومی عزت و وقار کا ضامن کہا جاتا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ پاک فوج کے وقار کو بحال کرنے میں جنرل اشفاق کیانی اپنا کردار ادا کریں گے۔

ہماری دلی خواہش ہے کہ فوج کے سیاسی کردار کا خاتمہ ہونا چاہیے، پاک فوج سیاست کے دلدل سے نکل کر دفاعِ وطن کے اپنے اصل اور واحد فریضے کی ادائیگی کے لئے ہمہ تن مصروف رہے اور فوجی تربیت کے مراکز میں پورے زور کے ساتھ اس خیال کو پروان چڑھنا چاہئے کہ فوج کا کام درحقیقت وطن کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور منتخب سول حکومتوں کی تعمیل کرنا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وقت کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ الیکشن کیا رنگ لاتے ہیں۔ موجودہ وقت اور حالات کی رفتار کو سیاستدان سمجھ بھی پاتے ہیں یا نہیں۔ نہ جانے عوامی انتشار کب ختم ہوگا؟ وقت گزرتا جا رہا ہے اور انتظار بڑھتا جا رہا ہے اور اقتدار، اقتدار کا کھیل شدت سے جاری ہے........

اگر ہمارے حکمرانوں نے ہوشمندی کا ثبوت نہ دیا تو

بنگلہ دیش کے بعد

ہمارے دشمنوں کا ہدف سندھو دیش نہ ہو جائے

پیپلز پارٹی کی ذمہ داری ہے کہ ماضی کی طرح فیڈریشن کی تقویت کا باعث بنے

محمد سمیع

خاکم بدہن، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے ذریعہ سندھو دیش کی تحریک میں جان ڈال کر بنگلہ دیش کے بعد سندھو دیش بنوانے کی راہ ہموار کی جارہی ہے۔ اللہ کرے میری یہ بات غلط ہو لیکن محترمہ کے قتل کے ردعمل میں جو صورت حال سندھ میں اچانک پیدا ہوئی ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ملک کے معروف دینی دانشور کی وہ بات جو انھوں نے اپنے خطابات میں بارہا کہی ہے، میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی تقریروں میں کہا ہے کہ ایم آر ڈی کی تحریک سے فائدہ اٹھانے کا موقع گنوانے پر افسوس کے اظہار کے طور پر بھارتی سیاستدان کا یہ تبصرہ سامنے آیا تھا کہ We have lost a chance century (ہم نے ایک صدی کا موقع کھو دیا۔) جس تعداد میں ریلوے انجن اور ریلوے اسٹیشن جلائے گئے اور جس طرح کئی کلو میٹر ریلوے لائن کی پٹڑیاں اکھاڑی گئیں اس سے تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ہمارا ازلی دشمن اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوششوں میں مصروف ہے لیکن حکومتی سطح پر ایسے امکان کا تا حال کوئی اظہار نہیں کیا گیا۔ شاید بھارت سے دوستی کی پینگیں اسے زیادہ عزیز ہیں حالانکہ حکومت نے قوم کو جو نعرہ دیا ہے وہ "سب سے پہلے پاکستان" کا ہے۔ بہرحال "امور سلطنت خویش خسرواں دانند" (اپنی سلطنت کے امور حکمران جانتے ہیں۔) ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

ادھر کافی عرصہ سے قومی قائدین اور دانشوران عظام اس خدشے کا اظہار کر رہے تھے کہ ہم 1970ء کے حالات کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لیکن جس طرح لکھنو کے رنگیلے حکمراں اپنے اقتدار کے نشے میں بدست ہو کر عوام کو یہ تاثر دے رہے تھے کہ "ہنوز دلی دور است" سندھ کی فضاؤں میں ایک بار پھر پاکستان مخالف نعرے گونج رہے ہیں لیکن ہمارے حکمران اپنی روش پر گامزن ہیں۔ محترمہ اور ان کے سیکیورٹی کے ذمہ داران سے بار بار انھیں حکومت کی فراہم کردہ ناقص سیکیورٹی کی شکایت کر رہے تھے۔ خود حکومت نے بھی محترمہ پر زور دیا تھا کہ لیاقت باغ میں جلسہ سے گریز کریں۔ ان تمام باتوں کے باوجود انھیں مناسب سیکیورٹی فراہم نہیں کی گئی اور یہ سانحہ ہو گیا۔ لیکن افسوس کہ اتنا بڑا قومی سانحہ ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں پورے ملک کا امن وامان تہہ وبالا ہو گیا۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ اس سانحہ کی وجوہات کے بارے میں حکومت بار بار اپنے موقف میں تبدیلی کر کے عوام میں اپنے بارے میں بدگمانی کیوں پیدا کر رہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مجرموں کا پتہ چلا کر انہیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ تفتیش کے دوران

> جب مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنا، ہم نے عوامی لیگ کو دیوار سے لگایا تھا۔ اس وقت تو ہم نے سیاسی جماعتوں سمیت عدلیہ اور میڈیا کو بھی دیوار سے لگایا ہوا ہے

سانحے کی جو وجہ ہوتی سامنے آتی، تحقیقاتی ادارہ اسے اپنی رپورٹ میں درج کر دیتا۔ اس ساری صورتحال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود حکومت معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لے رہی۔

کراچی سے باہر کیا ردعمل ہوا اس کی رپورٹیں تو اخبارات میں آچکی ہیں خود کراچی میں گھنٹوں بلوائی لوٹ مار اور آتشزنی کرتے رہے لیکن سڑکوں پر نہ تو پولیس نظر آئی اور نہ رینجرز دکھائی دیے۔ کیا حکومت کو اس کا علم نہیں تھا کہ سانحہ لیاقت کے بعد کیا ردعمل ہو سکتا ہے؟ خبر ملتے ہی اگر قانون نافذ کرنے والے ادارے حرکت میں آجاتے تو بلوائیوں کے حوصلے اتنے نہ بڑھتے کہ تیسرے دن بھی جبکہ پولیس اور رینجرز کے ساتھ صوبائی حکومت نے اپنی مدد کے لیے فوج کو طلب کر لیا تھا، لوٹ مار اور آتشزنی کا عمل جاری رہتا۔ محترمہ کے سوئم کے موقع پر بھی عوام اس خوف میں مبتلا رہے کہ اللہ نہ کرے کل سے دوبارہ امن وامان کی صورت مخدوش نہ ہو جائے۔

اس بات پر پوری قوم متفق ہے کہ بے نظیر بھٹو قومی سیاستدان تھیں اور ان کی پارٹی چاروں صوبوں میں وجود رکھتی ہے۔ اپنے خاندان پر تمام تر ابتلاء کے باوجود محترمہ نے کبھی قوم پرستی کی سیاست نہیں کی۔ ان کے جانے کے بعد کوئی بھی ایسا سیاستدان قوم میں موجود نہیں جو چاروں صوبوں میں یکساں طور پر ہر دلعزیز ہو۔ پیپلز پارٹی پر بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے کہ وہ ماضی کی طرح فیڈریشن کی تقویت کا باعث بنے۔ اگرچہ محترمہ کے بعد ان کی سطح کا کوئی بھی لیڈر پیپلز پارٹی میں موجود نہیں۔ ان کا خاندان ایک مضبوط سیاسی قوت تھا لیکن اب اس خاندان میں بھی کوئی ایسا نہیں رہا جو ان کی جگہ لے سکے۔ تاہم اس پارٹی میں جو قائدین اس وقت موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی قوم پرستی کی سیاست کی طرف رجحان نہیں رکھتا۔ ہمارے حکمرانوں کی بھی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ فہم و تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے حالات کو بہتری کی طرف لائیں اور قوم کو حکومت کے منفی اقدامات پر جو تشویش ہے اس کا ازالہ کریں۔ قومی حکومت اور الیکشن کمیشن کا قیام حکمرانوں کی جانب سے فوری مثبت قدم ہو گا۔ ظاہر ہے کہ گزشتہ آٹھ سال کے دوران محترم محمد میاں سومرو صدر پرویز مشرف کے دست راست رہے ہیں لہٰذا ان کی سربراہی میں نگراں حکومت پر سیاستدانوں کا عدم اطمینان قابل فہم ہے۔ مزید برآں، الیکشن کمیشن پر بھی سیاسی جماعتوں کو اعتماد نہیں۔ لہٰذا فضا میں موجود کشیدگی کو دور کرنے کے لیے حکومت کو یہ دو کام فوری طور پر کرنے چاہئیں۔ مزید برآں، عدلیہ کی آزادی اور میڈیا پر پابندیوں کا خاتمہ بھی ناگزیر ہے۔ اگر ہمارے حکمرانوں نے ہوشمندی کا ثبوت نہیں دیا تو شدید اندیشہ ہے کہ بنگلہ دیش کے بعد ہمارے دشمنوں کا اگلا ہدف سندھو دیش کا قیام ہو جائے کیونکہ اب بھی امریکہ، روس اور بھارت کی شکل میں ہمارے دشمنوں کی مثلیث موجود ہے۔ یہ وہی مثلیث ہے جس کی کارفرمائیوں کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہوا اور بنگلہ دیش کا قیام ممکن ہوا تھا۔ اُس وقت ہم نے صرف عوامی لیگ کو دیوار سے لگایا تھا۔ اس وقت تو ہم نے سیاسی جماعتوں سمیت عدلیہ اور میڈیا کو بھی دیوار سے لگایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین۔

فراستِ نبویؐ کا ایک عظیم شاہکار

مرتب: حافظ خالد محمود خضر

سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی انقلابی جدوجہد کوئی سایہ دار ہموار شاہراہ پر چلنے والا معاملہ نہیں تھا کہ جس میں کوئی پیچیدگی نہ ہو‘ کوئی تکلیف نہ ہو‘ کوئی نشیب و فراز نہ ہوں اور انقلاب کی تکمیل ہو جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی انقلابی جدوجہد کی راہ میں جتنی مشکلات اور رکاوٹیں آ سکتی ہیں وہ ہمیں آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں بتمام و کمال نظر آتی ہیں۔ نبوت و رسالت کے منصبِ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد آنحضورﷺ کی بائیس تیئیس سالہ حیاتِ طیبہ نہایت شدید اور جاں گسل جدوجہد میں گزری ہے اور آپؐ کو بے پناہ مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ خود آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ مجھ پر تنہا وہ سب تکلیفیں اور مشکلیں بیتی ہیں جو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام پر بیتی تھیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے‘ اگر اس کی مشیت ہوتی تو وہ اپنے محبوبﷺ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھنے نہ دیتا اور انقلابِ اسلامی کی تکمیل بھی ہو جاتی‘ لیکن بالفعل ایسا نہیں ہوا۔ رسول اللہﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کو بے حد و حساب تکلیفیں جھیلنی پڑیں‘ مصائب برداشت کرنے پڑے اور بارہا آپؐ کو پیچیدہ سے پیچیدہ صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونا پڑا۔ کفار و مشرکین کی طرف سے استہزاء‘ تمسخر اور طعن و تشنیع سے جو ذہنی اذیت و کوفت آپؐ کو پہنچتی رہی ہے‘ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ متعدد مواقع پر ایسا بھی ہوا کہ وہ لوگ جو حضورﷺ کا کلمہ پڑھ رہے تھے ان کے ہاتھوں بھی نبی اکرمؐ کو شدید نوعیت کی قلبی و ذہنی کوفت اور اذیت اٹھانا پڑی —— آخر عبداللہ بن اُبی اور اس کے دوسرے منافق ساتھی بھی تو کلمہ گو تھے اور ان کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ ان منافقین نے کئی بار مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے‘ انہیں باہم دست و گریبان کرانے اور مہاجرین کی توہین و تذلیل کی کوششیں کیں۔ انہوں نے غزوۂ احد اور غزوۂ خندق کے مواقع پر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے جس طرح کے اوچھے ہتھکنڈے اختیار کیے وہ بھی آنحضورﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے انتہائی ذہنی اذیت کا باعث بنے۔

غزوۂ حنین کی فتح کے نتیجے میں کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ صدقات کی تقسیم کے لیے سورۃ التوبہ میں جو مدات بیان ہوئی ہیں ان میں ایک مد ''اَلْمُؤَلَّفَۃُ قُلُوْبُھُمْ'' بھی ہے۔ یعنی وہ لوگ بھی ان صدقات کے مستحق ہیں جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو۔ چنانچہ رسول اللہﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں قریش کے ان لوگوں کو زیادہ نوازا جو فتح مکہ کے بعد نئے نئے ایمان لائے تھے یا جن کے قبولِ اسلام سے دینِ حق کو تقویت حاصل ہو سکتی تھی۔ ان میں سے بھی خاص طور پر جو قریش کے مختلف گھرانوں کے سربراہان اور سردار تھے ان کو مالِ غنیمت میں سے نسبتاً زیادہ حصہ عطا فرمایا۔ آپؐ نے بعض لوگوں کو سو سو اونٹ بلکہ اس سے زیادہ بھی عطا فرمائے۔

> رسول اللہﷺ کا یہ خطاب سن کر لوگ اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر ہو گئیں۔ اور کہنے لگے: ''ہم راضی ہیں اس پر کہ ہمارے حصے میں رسول اللہﷺ ہوں''

اس تقسیم پر انصارِ مدینہ میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اگرچہ رسول اللہﷺ یہ معاملہ تالیفِ قلبی کی غرض سے فرما رہے تھے لیکن بالفعل تو معاملہ یہ ہو گیا کہ یہ تالیفِ قلب جن کی ہو رہی تھی وہ آپؐ کے رشتہ دار اور کنبے قبیلے والے لوگ تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لشکر میں جو تھوڑے بہت منافقین شامل تھے ان کو موقع مل گیا اور انہوں نے اس معاملے کو خوب اچھالا۔ یہ معاملہ چونکہ بہت حساس (sensitive) تھا لہٰذا منافقین کے پروپیگنڈے سے عام مسلمانوں میں بھی تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آخر وہ لوگ بھی انسان ہی تھے اور انسان کی جو طبعی و فطری کمزوریاں ہیں وہ تو موجود رہتی ہیں۔ چنانچہ اس واقعے سے مسلمانوں میں ایک عام بے چینی پھیل گئی اور انصار میں سے بہت سے مسلمانوں کی زبانوں پر‘ جن میں مومنین صادقین بھی شامل تھے‘ یہ بات آ گئی کہ جب جان دینے کا وقت آتا ہے‘ قربانیوں کا موقع ہوتا ہے تو ہم (انصار) یاد آتے ہیں اور جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا مرحلہ آیا ہے تو اپنے قبیلے والے اور اپنے اعزہ و اقرباء یاد آ گئے! بعض لوگوں کی زبانوں سے ایسے الفاظ تک نکل گئے: ''اللہ تعالیٰ رسول اللہﷺ کو معاف فرمائے‘ وہ قریش کو عطا کر رہے ہیں اور ہمیں محروم رکھ رہے ہیں‘ جبکہ ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے!'' ایک شخص نے یہاں تک کہہ دیا: ''اللہ کی قسم یہ ایک غیر عادلانہ تقسیم ہے اور اس میں اللہ کی رضا کو ملحوظ نہیں رکھا گیا''۔

یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی اور چہ میگوئیوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ باتیں نبی اکرمﷺ کے گوشِ مبارک تک پہنچیں تو آپؐ نے فرمایا: ''اگر اللہ اور اس کا رسول ہی عدل نہ کریں تو پھر کون عدل کرے گا؟'' پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رحمت سے نوازے‘ ان کی تو اس سے بھی بڑھ کر دل آزاری کی گئی مگر انہوں نے صبر فرمایا''۔

نبی اکرمﷺ نے اس پیچیدہ صورتِ حال کو جس عمدگی سے حل فرمایا وہ درحقیقت حضورﷺ کی فراست اور حسنِ تدبیر کا شاہکار ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ چہ میگوئیاں سننے کے بعد رسول اللہﷺ نے ایک بہت بڑا خیمہ لگانے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے تمام انصار رضی اللہ عنہم کو وہاں جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ جہاں فصاحت و بلاغت کی معراج اور آنحضورﷺ کی فراست و ذکاوت اور تدبر کا آئینہ دار ہے وہاں نفسیاتِ انسانی کے ادراک میں آپؐ کی مہارت کا بھی شاہکار ہے۔ آپﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد انصار کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے معشرِ انصار! تمہاری یہ کیا چہ میگوئی ہے جو میرے علم میں آئی ہے؟ اور یہ کیا ناراضگی ہے جو جی ہی جی میں تم نے مجھ پر محسوس کی ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے‘ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت بخشی؟ اور تم تنگ دست تھے تو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں مالدار کر دیا؟ اور تم باہم دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہارے دلوں کو

جوڑ دیا؟“

انصار کہہ رہے تھے: ”کیوں نہیں، یہ سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان ہے!“۔

اس طرح آپؐ وہ احسانات و انعامات گنواتے چلے گئے جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے انصار پر بالخصوص اور نوعِ انسانی پر بالعموم ہوئے تھے۔ انصار ؓ اس پر عرض کرتے رہے کہ ”یہ سب اللہ اور اس کے رسولؐ کا فضل و کرم ہے!“

اس ارشاد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطاب کا رخ بدلا اور ارشاد فرمایا: ”اے انصار کے لوگو! تم جواب میں یہ کہہ سکتے ہو کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ کو جھٹلا دیا گیا تھا، ہم نے آپ کی تصدیق کی آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا، ہم نے آپ کی مدد کی آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا اور آپ کو کوئی پناہ دینے والا نہیں تھا تو ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا اور اپنے اہل و عیال سے بڑھ کر آپ کی حفاظت کی کوئی آپ کی مدد کرنے والا نہیں تھا، ہم نے اپنی جانیں دیں اور اپنا خون بہایا جس کی بدولت آپ کو یہ کامیابی حاصل ہوئی ہے میں جواب میں کہوں گا کہ تم سچ کہتے ہو، تمہاری یہ سب باتیں درست ہیں!

نبی اکرم ﷺ کے اس پرتاثیر خطبے سے جذبات کی ایک خاص فضا پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک بار پھر خطاب کا رخ بدلا اور ارشاد فرمایا: ”اے معشر انصار! تم اپنے جی میں دنیا کی ایک حقیر سی گھاس کے لیے ناراض ہو گئے جس کے ذریعے میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں، اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا؟ اے انصار! کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر واپس لوٹو؟ اللہ کی قسم! جو چیز تم لے کر لوٹ رہے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو کچھ وہ لے کر لوٹ رہے ہیں“۔

اس پر شدتِ جذبات سے انصار کی چیخیں نکل گئیں اور سب پکار اٹھے: بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ”کیوں نہیں اے اللہ کے رسول!“

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ وادی کا راستہ اختیار کریں اور قریش دشوار گزار گھاٹی کے راستے پر چلیں تو بھی میں انصار ہی کی راہ چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور انصار کے بیٹوں اور پوتوں پر“۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب سن کر لوگ اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر ہو گئیں۔ اور کہنے لگے: ”ہم راضی ہیں اس پر کہ ہمارے حصے میں رسول اللہ ﷺ ہوں“۔

آپ ﷺ کے اس خطاب سے انصار کو انشراحِ صدر ہو گیا اور انہیں اطمینان ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو جو اس قدر نوازا ہے تو وہ کسی ناحق جانبداری کی بنا پر نہیں، بلکہ ان کی تالیفِ قلب کے لیے نوازا ہے۔

[اس واقعے کی تفاصیل مختلف احادیث اور کتب سیرت میں بیان ہوئی ہیں۔ دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف ...... و کتاب فرض الخمس، باب ما کان النبی ﷺ یعطی المؤلفة قلوبهم وغیرهم...... وصحیح مسلم، کتاب الزکٰوة، باب اعطاء المؤلفة قلوبهم...... نیز سیرت ابن ہشام وغیرہ۔]

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ 20/جنوری 2008ء بروز اتوار صبح دس بجے

قرآن اکیڈمی کراچی میں ہفت روزہ

مبتدی، ملتزم تربیت گاہ

کا آغاز ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت برائے رابطہ (کراچی): 021-5340022-3

سانحۂ کربلا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت و عظمت کی صحیح تصویر

اور

شہیدِ مظلومؓ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب اور آپ کی مظلومانہ شہادت کے بیان پر جامع تالیف

- یہود نے عہد صدیقیؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا آتش پرستان فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا تھا۔
- وہ آج بھی قاتلِ خلیفۂ ثانیؓ ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں۔
- علی مرتضیٰؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی قاتلین عثمانؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔
- سید الشہداء کون ہیں اور شہید مظلوم کون؟ تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لئے

بانیٔ تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں

کا مطالعہ کیجئے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت اشاعت خاص: 50 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 5869501-3 email:maktaba@tanzeem.org

خلیفۂ دوم

حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت

احادیث کی روشنی میں

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نام عمر، کنیت ابوحفص تھی۔ والد کا نام خطاب تھا۔ مکہ کے شہ زور لوگوں میں آپ کا شمار تھا۔ شروع عمر میں معمولی معاوضے کے عوض لوگوں کے اونٹ چراتے تھے۔ جب اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے تو اصحاب رسول ﷺ میں امتیازی مقام ملا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد اسلامی مملکت کے سربراہ بنے۔ وفات کے وقت 22 ہزار مربع میل کا علاقہ آپ کے زیر نگین تھا۔ جب مکے میں آفتاب نبوت طلوع ہوا تو آپ اپنی عمر کے 27 ویں سال میں تھے۔ اُس وقت تک 50،40 آدمی اسلام قبول کر چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حمزہؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، تاہم مسلمان کعبہ میں نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نے زور پکڑا تو مکہ کے مشہور سردار عمرو بن ہشام نے اعلان کیا کہ جو کوئی محمد ﷺ کو قتل کر دے اس کو انعام میں سو اونٹنیاں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی انعام میں دی جائے گی۔ اس پر عمر رسول اللہ ﷺ کے قتل کے ارادہ سے نکلے، مگر دست قدرت آپؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی دُعا قبول کر چکی تھی جس کے الفاظ اس طرح ہیں: "اے اللہ عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو قوت عطا فرما۔" (جامع ترمذی)

چنانچہ آپ تلوار تھامے جا رہے تھے کہ راستے میں کسی نے بتایا کہ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید اسلام لا چکے ہیں۔ اس پر آپ بہن کے گھر گئے۔ وہاں اپنی بہن کی زبان سے سورۂ طٰہٰ کی آیات سن کر عمر کے دل کی دنیا میں انقلاب آ گیا۔ رات بہن کے ہاں گزاری اور صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور دوسرے مسلمانوں کو ساتھ لے کر علانیہ مسجد حرام میں جا کر نماز ادا کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے "خدا کی قسم! عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم بیت اللہ کے قریب علانیہ نماز پڑھ سکتے۔" (فتح الباری بحوالہ طبرانی)

حضرت عمر پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے آپؓ کو روحانی علوم سے بھی سرفراز فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں سو رہا تھا کہ (خواب میں) میرے پاس دودھ کا بھرا ہوا پیالہ لایا گیا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پیا۔ یہاں تک کہ میں نے سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں تک میں محسوس کیا۔ پھر میں نے بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب کو دیا تا کہ وہ پی لیں"۔ بعض صحابہ کرامؓ نے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو آپؐ نے فرمایا "علم" (صحیحین)۔ اس کا اثر تھا کہ آپ کے فیصلے نہایت صائب اور انصاف پر مبنی ہوتے تھے۔ گویا آپ کی زبان حق کی ترجمان تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل میں حق رکھ دیا ہے۔" (ترمذی) رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں کم و بیش 15 واقعات ایسے ملتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق اللہ کا حکم آ گیا۔ شراب کی حرمت کے بارے میں آپ چاہتے تھے کہ یہ حرام ٹھہرے۔ چنانچہ اُس کی حرمت میں قرآن پاک کی آیات نازل ہو گئیں۔ اسی طرح آپ کی خواہش تھی کہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھی جائے تو حکم آ گیا کہ "مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیا کرو" (البقرہ 125)۔ ابھی پردے کا حکم نہیں آیا تھا۔ صحابہ کرامؓ رسول اللہ کے گھروں میں بضرورت آیا جایا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ چاہتے تھے کہ ازواج مطہرات پردہ کیا کریں۔ چنانچہ آیت حجاب نازل ہو گئی "اور جب تمہیں کوئی چیز (ازواج مطہرات) سے مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو" (الاحزاب 54) اب ازواج نے پردہ کرنا شروع کر دیا۔

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
> "اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل میں حق رکھ دیا ہے۔"

غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کے جو افراد قیدی بن کر مسلمانوں کے ہاتھ لگے، نبی اکرم ﷺ نے اُن کے بارے میں ساتھیوں سے مشاورت کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور اکثر دوسرے لوگوں نے مشورہ دیا کہ انہیں حسن سلوک کے تحت فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی رائے اس کے حق میں نہ تھی۔ اُن کا کہنا تھا کہ ان کو قتل کر دیا جائے بلکہ ان کے قریبی رشتہ دار جو اسلام لا چکے ہیں وہ ان کو قتل کریں تا کہ مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے اور کفر اس قدر کمزور ہو جائے کہ آئندہ کبھی اُسے مسلمانوں سے متصادم ہونے کی جرأت نہ ہو۔ کثرت رائے پر فیصلہ کیا گیا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ بعد ازاں سورۃ الانفال کی آیات 68،67 نازل ہوئیں جن سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق قیدیوں کے ساتھ سلوک کرنا پسند تھا۔ آیات کا ترجمہ اس طرح ہے:

"پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہا دے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔"

آپ کی اصابت رائے اس قدر واضح تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر بالفرض میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن الخطاب ہوتے" (جامع ترمذی)۔ گویا آپ کا مزاج، طبیعت اور سوچ پیغمبرانہ تھی۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قصر نبوت کی تکمیل ہو گئی تھی، اس لئے اب کسی نبی کے آنے کا امکان ختم ہو گیا۔ البتہ الہامی شخصیات پیدا ہوتی رہیں گی، جو قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں جدید مسائل کا حل بتائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم سے پہلی امتوں میں محدث یعنی ایسے لوگ ہوتے تھے جو اللہ کی طرف سے خاص طور پر الہام کی نعمت سے نوازے جاتے تھے۔ اگر میری امت میں سے کسی کو اس نعمت سے نوازا گیا تو وہ عمرؓ ہیں"۔ (متفق علیہ)

وفات سے قبل زخمی حالت میں آپؓ نے فرمایا: "مجھے ڈر ہے کہ تم لوگ میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہو جاؤ گے" (صحیح بخاری)۔ چنانچہ اُن کی یہ بات سچ ثابت ہوئی کہ اُن کی وفات کے بعد فتنوں کا آغاز ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت کے آخری سالوں میں یہ فتنے اس حد کو پہنچ گئے کہ خود کو مسلمان کہنے والے لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیا۔ اس کے بعد ایسی خانہ جنگی شروع ہوئی کہ ہزار ہا صحابہؓ اور تابعین ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

حضرت عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ نے فاروق کا خطاب دیا یعنی کفر اور اسلام میں حد امتیاز قائم کرنے والی شخصیت۔ الغرض حضرت عمرؓ تاریخ اسلام کے وہ بطل جلیل ہیں کہ آج تک امت مسلمہ کو کوئی دوسرا ایسا قائد نہیں مل سکا۔

بے نظیر کا قتل، خدشات و امکانات

محمد نذیر یٰسین

27 دسمبر 2007ء کو پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بے نظیر بھٹو کا قتل یقیناً پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم فیصلہ کن موڑ ثابت ہوسکتا ہے۔ یہ خدشات بجا طور پر درست ہیں کہ اس سیاسی قتل کے نتیجہ میں وفاق پاکستان کی سلامتی کو سنجیدہ خطرات لاحق ہو چکے ہیں کیونکہ بے نظیر کو چاروں صوبوں کی زنجیر بھی قرار دیا جاتا تھا۔ بظاہر اس زنجیر کا ٹوٹنا صوبہ سندھ میں علیحدگی پسندی کے جذبات کو فزوں تر کرنے کا سبب بنے گا، جبکہ بلوچستان اور صوبہ سرحد میں حالات پہلے ہی خطرے کے نشان تک پہنچ چکے ہیں۔

آج پورے ملک میں یہ سوال گردش کر رہا ہے کہ اس واقعہ کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی حکومت اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ اس قتل کا الزام نام نہاد انتہا پسند مذہبی گروہوں پر زبردستی تھوپنا چاہتے ہیں جبکہ عوام الناس کے اندر عام تاثر یہی ہے کہ ماضی کے اکثر و بیشتر واقعات کی طرح یہ بھی پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کی کارستانی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ تمام خیالات و تجزیئے سطحی معلوم ہوں گے جس کی کئی ٹھوس وجوہات بیان کی جاسکتی ہیں۔

عین ممکن ہے کہ پاکستانی ایجنسیوں کو اس قتل کے لئے استعمال کیا گیا ہو تاہم اس واردات کی ماسٹر مائنڈ یقیناً کوئی اور قوت ہے اور یہ امریکی خفیہ ایجنسی، سی آئی اے ہوسکتی ہے۔ امریکہ، بے نظیر رومانس کے تناظر میں اگرچہ یہ بات ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے، تاہم حقائق کی تہہ تک پہنچنا اتنا زیادہ بھی مشکل نہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ماضی میں جتنے سیاسی قتل سی آئی اے نے کروائے ہیں، اُتنے شاید ہی کسی اور خفیہ ایجنسی نے کروائے ہوں گے۔

پاکستان کی تاریخ شاہد ہے کہ امریکی مفادات کی حفاظت و نگہبانی اور امریکی ڈکٹیشن پر عمل جس قدر غیر جمہوری ادوار حکومت میں کیا گیا ہے، اُتنا جمہوری ادوار حکومت میں نہیں ہو سکا، اگرچہ ہمارے ہر حکمران نے اپنی بساط کی حد تک امریکہ کی خدمت ضرور انجام دی ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ ایک جمہوری حکومت کو کسی نہ کسی حد تک عوامی اُمنگوں و خواہشات کا بہرحال احترام کرنا پڑتا ہے اور اس کے لئے امریکی ڈکٹیشن پر کما حقہٗ عمل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس تناظر میں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پیپلز پارٹی کی جڑیں پاکستانی عوام کے اندر بہت مضبوط ہیں اور بہت سے سیاستدان محض اس لئے اس میں شامل ہوتے رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی کے مضبوط و محفوظ ووٹ بنک کی وجہ سے انہیں اپنی کامیابی کا غالب یقین ہوتا ہے۔ جبکہ نام نہاد لیگی پارٹیوں کی حیثیت اُن مفاد پرست سیاستدانوں کی عارضی طور پر قائم کردہ انجمنوں سے زیادہ نہیں جن کا مقصد صرف اور صرف ایوان اقتدار تک رسائی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مسلم لیگ نواز گروپ بھی اب

بے نظیر کے قتل کے بعد صوبہ سندھ میں علیحدگی پسندی کی تحریک کو ہوا دینا اب بہت آسان ہوگیا ہے۔ جبکہ بلوچستان میں اکبر بگٹی کے قتل کے بعد وہاں علیحدگی پسندی کے جذبات اور صوبہ سرحد میں خانہ جنگی کی سی صورتحال پہلے ہی پیدا ہو چکی ہے

ایک عوامی جماعت کی صورت اختیار کر چکا ہے جس کی غالب وجہ نواز شریف کا غیر معمولی غیر ملکی دباؤ کے باوجود ایٹمی دھماکے کر کے پاکستانی قوم کی آرزوؤں کی تکمیل کرنا قرار دیا جاسکتا ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے لئے برسرِ اقتدار آکر امریکی ڈکٹیشن پر عمل کرنا تو اور زیادہ مشکل ہوتا کہ یہ جماعت اپنی عوامی ساکھ کے خراب ہونے کا خطرہ ہرگز مول نہیں لے سکتی تھی۔ لہٰذا برسرِ اقتدار آکر نام نہاد ق لیگ کی طرح امریکا کی چاکری کرنا اس کے لئے عملاً ممکن نہیں تھا۔ امریکا کے نزدیک بے نظیر بھٹو کے ان وعدوں کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ وہ برسرِ اقتدار آکر نام نہاد دہشت گردی کے خلاف زیادہ موثر انداز میں جنگ کر سکتی ہیں۔ امریکیوں کے نزدیک بے نظیر کے اندر ایسی صلاحیت موجود ہوتی تو وہ 2002ء کے الیکشن کے موقع پر ہی اُسے اقتدار دلوا سکتے تھے۔ اُن کے نزدیک پیپلز پارٹی کے اندر کوئی کشش موجود تھی تو وہ اس جماعت کی روشن خیال و سیکولر ذہنیت تھی جس کے سہارے وہ پاکستان میں اپنے روشن خیالی کے ایجنڈا کو تقویت دے سکتے تھے۔ پیپلز پارٹی یہ خدمت ادا کرنے کے لئے تو ضرور آمادہ ہوسکتی تھی، تاہم ق لیگ کی طرح جی حضوری کی پالیسی پر عمل کرنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔

امریکا چاہتا تھا کہ بے نظیر ق لیگ کے ساتھ اشتراکِ عمل کرتے ہوئے اس کے ایجنڈا پر عمل درآمد کو زیادہ موثر بنائے۔ آمریت کے خلاف طویل جدوجہد کی تاریخ رکھنے والی بے نظیر کے لئے عملاً ممکن نہ تھا کہ وہ آمروں کی بی ٹیم (ق لیگ) کے ساتھ اشتراکِ عمل کرے۔ وہ خود کو بالادست رکھتے ہوئے ق لیگ کے ساتھ اشتراکِ عمل کر بھی سکتی تھیں، تاہم آمروں کی بی ٹیم بننا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وطن واپسی سے قبل پیپلز پارٹی اور ق لیگ کسی نہ کسی فارمولا پر راضی ہوگئیں تھیں تاہم فریقین کے مابین مفادات کی رسہ کشی نے اس ڈیل کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا۔ آپس میں غلط فہمیاں بدستور موجود رہیں اور بے نظیر کی طرف سے اپنے بھرپور استقبال کی تیاریوں اور پھر واپسی پر اس کے عملی مظاہرہ نے امریکا اور اس کے پٹھوؤں کے لئے خطرے کا الارم بجا دیا تو انہوں نے استقبالی جلوس میں بم دھماکوں کے ذریعے بے نظیر کو آخری وارننگ دے ڈالی۔ لگتا ہے کہ بے نظیر خود بھی دل سے ق لیگ کے ساتھ ڈیل پر رضا مند نہ تھیں، لہٰذا انہوں نے چالبازی سے کام لیتے ہوئے اس کا الزام ق لیگ پر لگا کر بازی اُلٹنا چاہی۔ اگر وہ اس ڈیل پر واقعی رضامند ہوتیں تو ہرگز ایسا نہ کرتیں بلکہ ممکنہ حد تک ق لیگ کی پردہ پوشی کرنے کی کوشش کرتیں۔ اُن کا خیال تھا کہ اب امریکہ اُن کے راستہ کی رکاوٹ نہیں بنے گا تاہم یہ اُن کی خام خیالی تھی۔ ایک جی حضور غلام پر ایک آزاد منش غلام کو ترجیح دینا امریکا کے لئے کیسے قابل قبول ہوسکتا تھا؟ رہی سہی کسر بے نظیر کے ان بیانات نے پوری کر دی تھی کہ اگر پیپلز پارٹی کو اکثریت نہ ملی تو وہ الیکشن کے نتائج تسلیم نہیں کریں گی۔ پیپلز پارٹی کو اکثریت ملنے کی صورت میں برآمد ہونے والے نتائج، امریکا، مشرف اور ق لیگ تینوں کے

مفاد میں نہیں تھے لہٰذا اس ٹرائیکا کے بہترین مفاد کی خاطر بے نظیر کو منظر عام سے ہٹا دینے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو بے نظیر کا قتل کثیر المقاصد دکھائی دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں امریکا کے لئے پاکستان کے مستقبل کے حوالہ سے کئی امکانات پیدا ہوگئے ہیں۔

1۔ اگر امریکہ پاکستان کی سالمیت کو ہی اپنے بہترین مفاد میں خیال کرے تو وہ اس واقعہ کو مستقبل میں پاکستانی حکمرانوں کو نکیل ڈالنے کے لئے استعمال کرسکے گا کیونکہ اس واقعہ کو لیاقت علی خاں وغیرہ کے قتل کی طرح ایک عبرت ناک مثال کے طور پر پیش کیا جائے گا اور پاکستان کے حکمران امریکی تابعداری ہی میں اپنی عافیت خیال کریں گے۔

2۔ اگر وہ پاکستان کو ختم کرنے کا ارادہ کئے بیٹھا ہو تو اس قتل کے بعد صوبہ سندھ میں علیحدگی پسندی کی تحریک کو ہوا دینا اب بہت آسان ہوگیا ہے۔ بلوچستان میں اکبر بگٹی کے قتل کے بعد وہاں علیحدگی پسندی کے جذبات میں اضافہ پہلے ہی ہو چکا ہے جبکہ صوبہ سرحد میں تو خانہ جنگی کی سی صورتحال پیدا ہو چکی ہے۔

3۔ اگر وہ پاکستان میں براہ راست مداخلت وحملہ کا ارادہ کرچکا ہو تو یہ بھی اس کے لئے بہت آسان ہو چکا ہے۔ افغانستان پر امریکی حملے سے قبل کے منظر نامہ پر ذرا نظر دوڑائیے۔ 9 ستمبر 2001ء کو وہاں کے لبرل لیکن آزادی پسندی رہنما احمد شاہ مسعود کو قتل کردیا گیا۔ 11 ستمبر کو امریکہ میں دہشت گردی کے واقعات رونما ہوگئے۔ ان واقعات کے ذمہ دار اسامہ بن لادن اور طالبان قرار پائے اور اس طرح افغانستان پر حملہ کی راہ ہموار ہوگئی۔ احمد شاہ مسعود آج زندہ ہوتا تو یقیناً افغانستان پر امریکی قبضے کے خلاف مصروف جنگ ہوتا۔ پاکستان میں آئے روز دہشت گردی کے واقعات رونما ہورہے ہیں۔ اگر یہاں دہشت گردی وبدامنی زیادہ پھیل جائے اور کچھ دنوں بعد امریکہ یا یورپ میں دہشتگردی کے واقعات بھی رونما ہو جائیں اور ان کے ڈانڈے بھی پاکستان سے ملا دیئے جائیں تو پاکستان پر براہ راست امریکی حملوں کی مخالفت کون سا ملک کرسکے گا؟

4۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کے نتیجہ میں ہمارے ملک میں اُن کے افکار ونظریات کے حوالہ سے بھٹو ازم نے جنم لیا اور پیپلز پارٹی کی جڑیں عوام کے اندر مزید گہری ہوگئی تھیں۔ بے نظیر کو ملنے والی تمام تر پذیرائی اس ازم کی مرہون منت تھی حالانکہ انہوں نے بہت سے معاملات میں اپنے والد کے افکار ونظریات کے خلاف عمل کیا۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ اُن کے والد نے اپنے دور میں اداروں کی نیشنلائزیشن کی پالیسی اپنائی جبکہ بے نظیر نے ڈی نیشنلائزیشن کی پالیسی کو اختیار کیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ پارٹی اپنے بانی کے مشن سے دُور ہوتی چلی گئی۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ بے نظیر کا قتل اس پارٹی کو ہمارے ملک کا ایک اہم فرقہ بنادے۔ کم سن بلاول زرداری کو جانشین بنانے سے اس پارٹی کے ایک موروثی جماعت ہونے کا تاثر پختہ تر ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ مستقبل میں اس پارٹی کی قیادت ناخلفوں کے ہاتھ آئے اور یہ نااہل جانشین اس پارٹی کی تباہی کا باعث بنیں۔

5۔ بے نظیر کے قتل کے نتیجہ میں پیپلز پارٹی کے کالے کرتوتوں پر مزید پردہ ڈال دیا گیا ہے اور اس کا نتیجہ اس پارٹی کی مقبولیت میں اضافہ کی صورت میں نظر آرہا ہے۔ اس "روشن خیال" پارٹی کی مقبولیت کا مطلب پاکستان میں نام نہاد روشن خیالی کے جذبات میں اضافہ کی شکل میں امریکی ایجنڈا کو تقویت فراہم کرنا ہی قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ یہاں حکومت تو اُسے ہی ملے گی جو امریکی مفادات کی حفاظت کا علم اُٹھانے کے لئے آمادہ ہوگا۔ باقی اصل حاکم و مدبر تو ذات باری تعالیٰ ہی ہے، ہم تو اپنے کرتوتوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔

منتخب

الھدیٰ سی ڈی کلب

کی طرف سے ہر ماہ CD کی ترسیل

جس میں

☆ امیر محترم کے دوران ماہ تمام خطابات جمعہ (آڈیو)

☆ بانی تنظیم اسلامی کے تمام خطابات جمعہ، دروس وخصوصی خطابات (آڈیو)

☆ بیان القرآن ویڈیو کا ایک حصہ (قسط وار) ☆ منتخب نصاب ویڈیو کا ایک حصہ (قسط وار)

اس کے علاوہ دیگر دعوتی وتربیتی مواد شامل ہوگا، نیز یہ CD بذریعہ کمپیوٹر اور موبائل فون دیکھی جاسکتی ہے

سی ڈی کی قیمت: -/20 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

ممبر شپ فیس: -/100 روپے (قابل واپسی)

برائے رابطہ: ڈاکٹر محمد ابراہیم

لاریکس کالونی گڑھی شاہو لاہور۔
فون: 0300-4624146

ضرورت رشتہ

☆ مغل برادری کی 20 سالہ، دراز قد، خوبصورت وخوب سیرت، شرعی پردے کی پابند لڑکی، طوبیٰ کالج کی گریجویٹ کے لئے برسر روزگار، تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ دین کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: مرکزی ناظم تربیت تنظیم اسلامی: 0321-7061586-6316638

☆ لاہور میں رہائش پذیر شیخ فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم MPA، قد 5 فٹ، 2 انچ کے لئے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0334-9922956 5304272 (042)

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ قرآن اکیڈمی لاہور کے شعبہ مطبوعات کے مدیر جناب حافظ خالد محمود خضر کی خالہ وفات پاگئیں

☆ تنظیم اسلامی اسلام آباد کے ناظم بیت المال جناب محمد صابر شیخ کے والد محترم وفات پاگئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ رفقاء واحباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

احیائے اسلام اور تنظیمات

سید قاسم محمود

پچھلی قسط میں ہم یہاں تک پہنچے تھے کہ سلاوی صوبوں میں 1875ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ 1876ء میں قسطنطنیہ میں ایک "یورپی کانفرنس" کا اجلاس ہُوا اور اس سے اگلے سال رُوس سے تباہ کن لڑائی چھڑ گئی، جس کی وجہ سے رومانیہ اور سربیا کے صوبے سلطنتِ عثمانیہ سے الگ ہو گئے اور بلغاریہ تقریباً خود مختار بن گیا۔ (از روئے عہد نامہ برلن، 13 جولائی 1879ء)

وہ طریقہ جس کی رُو سے ترکی حکومت کو اس دخل اندازی کی پیش بندی منظور تھی، وہ سلطنتِ عثمانیہ کے دستور (آئین) کا اعلان تھا جو 23 ستمبر 1876ء کو یعنی یورپی کانفرنس کے اجلاس کے پہلے دن ہُوا، لیکن اس علاج سے جس کے متعلق نئے سلطان عبدالحمید کو پہلے ہی سے شبہ تھا، متوقع کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ مدحت پاشا کو، جس نے یہ آئین تیار کیا تھا، دو ہی مہینے کے بعد جلاوطن کر دیا گیا اور اس کے فوراً بعد سلطان نے اِس آئین کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ تاہم سلطان عبدالحمید کے دورِ حکومت کے طویل عرصے میں جو جنگِ رُوس کے بعد آیا، اصلاحات کو مکمل طور پر معطل نہ کیا گیا۔ 1879ء کے قوانین سے جو خاص کر دیوانی محکمے (عدلیہ) کے متعلق تھے، تنظیمات کی قانون سازی ایک لحاظ سے تکمیل پا گئی۔

اب ہم مختلف اصلاحات کا سرسری جائزہ لیتے ہیں:

قضا کی مجلسِ اعلیٰ (Grand Council of Justice)، جسے مجلسِ تنظیمات بھی کہتے تھے، کی ہیئت میں 1854، 1861 اور آخر کار 1868ء میں کئی تبدیلیاں ہوئیں اور اس کی فعالیت اداری اور قضائی اعمال میں تقسیم ہوگئی۔ یعنی شورائی دولت (کونسل آف سٹیٹ) میں، جس کی شکل و صورت 1918ء تک باقی رہی، اور دیوانِ احکامِ عدلیہ (ہائیکورٹ آف جسٹس) میں۔ 1839ء کے فوراً بعد ہی رشید پاشا نے فرانسیسی طرز پر صوبوں کے نظم و نسق کا ایک نیا طریقہ جاری کیا اور "التزام" کو منسوخ کر دیا۔ (التزام سے مراد ٹیکسوں کو اجارے پر دینے کا طریقہ ہے جو ترکی میں رائج تھا)۔ ثابت ہوا کہ اس نظام میں مرکزیت کی افراط ہے اور اس لیے 1852ء میں گورنروں کے اختیارات میں دوبارہ توسیع کی گئی۔ ٹیکسوں کی اجارہ داری کا دستور پھر سے رائج کرنا پڑا، کیونکہ براہ راست ٹیکس لگانے سے خزانے کو کافی آمدنی نہ ہوتی تھی۔ 1864ء کے قانون ولایات (صوبہ جات) سے، جس کی تکمیل 1871ء میں ایک اور قانون کے ذریعے کی گئی، ولایات کا اداری نظام مکمل کر دیا گیا اور یہ قانون 1918ء تک جاری رہا۔ 1864ء کا یہ قانون اس وجہ سے بھی اہم تھا کہ اس کے ذریعے صوبوں کو نئی عدالتیں ملیں، جو قاضیوں کی عدالتوں سے مختلف تھیں، گو اِن کے جج بسا اوقات علماء ہی ہُوا کرتے تھے۔

> تنظیمات کے دور میں اقتصادی نوعیت کے منصوبے بہت کم ظہور میں آئے۔ ملک کی مالی حالت برابر افسوسناک رہی اور یہ حالت غیر ملکی قرضوں اور سلطان عبدالعزیز کی فضول خرچیوں کے باعث بد سے بدتر ہوتی چلی گئی

1864ء سے پہلے بھی قسطنطنیہ اور متعدد بڑے بڑے صوبائی شہروں میں دو عدالتیں ایک تجارتی اور ایک مخلوط (عثمانیوں اور غیر ملکیوں کے مابین مقدمات کے لیے) قائم کر دی گئی تھیں۔ اِن دونوں عدالتوں کو 1860ء میں ملا دیا گیا، لیکن 1875ء اور 1879ء کے قوانین کے صادر ہونے سے پہلے تمام غیر شرعی عدالتیں وزارت انصاف کے ماتحت نہ آ سکیں۔ پہلا قانونِ عرف (کامن لاء) 1850ء کا ضابطۂ تجارت تھا جو زیادہ تر فرانسیسی قانون پر مبنی تھا اور یہی حال 1858ء کے ضابطۂ تعزیرات اور 1863ء کے ضابطۂ قانونِ تجارت بحریہ اور 1861ء کے ضابطۂ تجارت کا تھا۔ البتہ 1869ء کے ضابطہ دیوانی میں کوشش کی گئی کہ قانونِ ملکیت اور قانون ضمانات وغیرہ کو حنفی مذہب کے مطابق جمع و مرتب کر لیا جائے۔ یہ ضابطۂ دیوانی ایک مجلس نے، احمد جودت پاشا کے زیرِ صدارت مرتب کیا تھا، لیکن اس پر عمل درآمد لازمی متصور نہ ہوتا تھا، بلکہ یہ گویا اُن ججوں کے مطالعے کے لیے ایک کتابچہ تھا، جنہوں نے اسلامی شریعت کا مطالعہ نہیں کیا۔ قانون برائے اجرائے فیصلہ جات اور ضابطۂ دیوانی دونوں 1879ء میں وضع ہوئے تھے، لیکن انہیں غیر ملکی سفارتوں نے تسلیم نہ کیا، اس لیے مخلوط مقدمات میں انہیں کبھی استعمال نہ کیا گیا۔

مختلف النوع غیر مسلم جماعتوں کے لیے قانون سازی کا کام بے حد پیچیدہ تھا۔ ان میں سے بڑی بڑی جماعتوں کے لیے جو "بنیادی قوانین" 1860ء میں شائع ہوئے، اُن کا رجحان اس طرف تھا کہ اداری اُمور میں روحانی (کلیسائی) عنصر کے اقتدار کو کم کر کے غیر رُوحانی عنصر کو زیادہ اختیار دیا جائے۔ اِن جماعتوں نے عام طور پر قضا (عدلیہ) کے معاملات میں اپنی خود مختاری قائم رکھی۔ بابِ عالی کو اکثر اوقات ان جماعتوں کے اندرونی تنازعات اور رومن کیتھولک اور مشرقی کلیسا کے پیروکاروں کے (جو روما کی گدی سے منسلک و متحد تھے) باہمی اختلافات کا فیصلہ کرنا پڑتا تھا۔ یہاں بھی غیر ملکی طاقتوں کو ہر وقت دخل دینے کا موقع ملتا، بالخصوص رُوس کو ترکی کے گریگوری کلیسا کے مسائل میں مداخلت کا موقع ملتا تھا۔ اسی طرح اور تھوڈوکس بلغاریوں کی اختلافی جماعت کے مسئلے میں بھی یہی کیفیت تھی، جنہیں 1870ء میں ایک خود مختار جماعت کی حیثیت دے دی گئی تھی۔ غیر مسلموں کو فوج میں بھرتی کرنے کا فیصلہ 1855ء میں پیدا تھا اور خراج سرکاری طور پر موقوف کر دیا گیا، لیکن اس فیصلے پر "تنظیمات" کے دوران میں کوئی عمل نہ ہُوا۔ اس کی جگہ معافی ٹیکس (یعنی بدل) رائج ہوا۔

تعلقات خارجہ کے سلسلے میں غیر ملکی امتیازات کی تنسیخ کے متعلق تمام کوششیں، جن کی ابتدا پیرس کانگریس میں ہوئی، بے کار ثابت ہوئیں۔ 1873ء کے قانون کے نفاذ کے موقع پر ایک خفیف سی اصولی تبدیلی کی گئی، جس کی وجہ سے غیر ملکیوں کو زمین کی ملکیت حاصل کرنے کا حق حاصل ہوگیا۔

1845ء میں تعلیم کی کامل اصلاح کی غرض سے

ایک "مجلسِ معارف" مقرر ہوئی۔ پہلے اُس کا صدر فواد پاشا تھا اور بعد میں جودت پاشا۔ اس ضمن میں مذہبی تعلیم اور مدرسوں کی روایات سے ٹکر لینا لازمی خیال کیا گیا۔ 1845ء میں یونیورسٹی قائم ہوئی، لیکن اس کا پہلے پہل براہ راست کوئی حسبِ دل خواہ نتیجہ نہ نکلا اور رُشدیہ (ثانوی) اور اعدادیہ (پرائمری) مدارس کے قیام میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ 1868ء میں غلطہ سرائے کے ثانوی مدرسے کا افتتاح ہُوا، جس میں تعلیم فرانسیسی زبان میں دی جاتی تھی تو اس کے معنی یہ لیے گئے، کہ غیر ملکی ثقافت کو ملک میں داخل کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس کی بڑی سختی سے مخالفت ہوئی۔ غرض کہ اُنیسویں صدی کے اواخر میں جا کر یہ اقدامات بار آور ہونے لگے۔

"تنظیمات" کے دور میں اقتصادی نوعیت کے منصوبے بہت کم ظہور میں آئے۔ ملک کی مالی حالت برابر افسوسناک رہی اور بہ حالت غیر ملکی قرضوں (1854ء سے) اور سلطان عبدالعزیز کی فضول خرچیوں کے باعث بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ قومی قرضے کے بین الاقوامی محاسبے پر، جس کا اِن حالات میں وجود میں آنا لازمی تھا، 1879ء کی مالی تباہی کے بعد تک عمل شروع نہ ہُوا۔ 20 دسمبر 1881ء کے فرمان کے مطابق عثمانی سلطنت کے قرضے کی بین الاقوامی کونسل قائم ہوئی۔

تنظیمات کے دور میں ترکی کے اسلامی عوامل کی عقلی تجدید واحیا کا بھی کچھ پتا چلتا ہے، جس سے ترکوں کی جدید ثقافت کی بنیاد پڑی۔ یہی زمانہ تھا جس میں شناسی، نامق کمال اور احمد وفیق محوِ عمل رہے۔ اسی دور میں احمد جودت پاشا بھی تھے جو مشہور مورخ، ادیب اور قانون ساز تھے۔ ضیا گوک پاشا بھی تھے، جس نے موجودہ ترکی قوم پرستی کی تحریک کے اصول وضع کیے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا کے بعد ترکی کے ذہنی وفکری ارتقا کے سلسلے میں یہ دور نہایت اہم ثابت ہُوا۔

یہ دور اسلام کے احیاء اور نشاۃ ثانیہ کے ضمن میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، جس کا مطالعہ مفکرین کی شخصی کاوشوں کی وساطت سے ہی ہو سکتا ہے۔ آئندہ شمارے سے ترکی کے جدید مفکرین کی فرداً فرداً کاوشوں کا مطالعہ کیا جائے گا۔ (جاری ہے)

✿✿✿✿✿

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

امید کا چراغ

نوید احمد

26 دسمبر 2007ء کو میرا بھانجا صبغۃ اللہ کراچی آمد کے لئے راولپنڈی اسٹیشن سے عوام ایکسپریس پر سوار ہوا۔ اگلے روز شام پونے 7 بجے یہ ٹرین ٹنڈو آدم سے قبل جلال مری اسٹیشن پر پہنچی۔ اِس مقام پر اسٹیشن ماسٹر نے گاڑی کو روک لیا اور مسافروں کو سانحہ لیاقت باغ سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ٹنڈو آدم اسٹیشن کو اور آگے جانے والی ایک ٹرین کو نذر آتش کر دیا گیا ہے، لہٰذا اِس ٹرین کو آگے روانہ کرنا خطرناک ہے۔ اسٹیشن ماسٹر نے فوری طور پر علاقہ کے وڈیرے حاجی اسمٰعیل بلوچ کو صورتِ حال بتائی۔ حاجی اسمٰعیل صاحب کا گھر، ہوٹل، باغات اور کھیت اسٹیشن سے بالکل ملحق ہیں۔ سیاسی اعتبار سے اُن کی وابستگی پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ ہے۔ اُنہوں نے فوری طور پر ٹرین کی حفاظت کے لئے پچاس بندوق بردار افراد بھیج دیئے جنہوں نے ٹرین کو دونوں اطراف سے گھیر لیا۔ حاجی صاحب نے مسافروں کو ہر طرح کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی۔ اِس کے بعد حاجی صاحب کی طرف سے مسافروں کے رات کے کھانے کے لئے وافر مقدار میں دال اور چاول کا بندوبست کیا گیا اور ہر بوگی میں یہ کھانا مہیا کیا گیا۔ چھوٹے بچوں کے لئے میٹھا گرم دودھ فراہم کیا گیا۔ رات میں جگہ جگہ آگ کا الاؤ روشن کیا گیا تاکہ مسافر اُس کے قریب بیٹھ کر سردی سے محفوظ رہ سکیں اور بڑی فراوانی کے ساتھ چائے پلانے کا بھی اہتمام کیا گیا۔

جمعہ کے روز صبح ناشتہ میں ڈبل روٹی، بن بسکٹ، پاپے، ملک پیک، چائے اور بچوں کے لئے علیحدہ سے دودھ فراہم کیا گیا۔ خواتین کے لئے حاجی صاحب نے اپنا گھر خالی کر دیا تاکہ وہ وہاں جا کر طہارت حاصل کر سکیں اور مردوں کے لئے اپنے ہوٹل میں یہ سہولت فراہم کی۔ مزید برآں انہوں نے مسافروں کو اپنے امرود کے باغات اور گنے کے کھیت دکھائے اور بتایا کہ وہ اِن سے جتنا استفادہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ پھر 28 اور 29 دسمبر کو تمام دن مسافروں کے اکرام کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ درمیان میں مسافروں کے لئے ایک وقت کا کھانا حاجی صاحب کے ایک دوست نے شہداد پور سے ارسال کیا۔

29 اور 30 دسمبر کی درمیانی شب حاجی صاحب نے پندرہ بسوں کا انتظام کیا اور ہر بس کا کرایہ پندرہ ہزار روپے اپنی جیب سے ادا کیا۔ رینجرز کی خدمات حاصل کی گئیں اور ان کی حفاظت میں مسافروں کو کراچی روانہ کیا گیا۔ روانہ کرتے وقت ہر مسافر کو بسکٹ، جوس، دودھ، اور ڈبل روٹیوں کے کئی پیکٹ دیئے گئے تاکہ مسافر راستے میں خوراک کے حوالے سے پریشان نہ ہوں۔ رات 3 بجے بسوں کا قافلہ روانہ ہوا اور صبح پانچ بجے حیدر آباد پہنچا۔ حیدر آباد سے دن 11 بجے روانگی ہوئی اور تین بجے سہ پہر مسافروں کو کراچی میں سہراب گوٹھ کے علاقہ میں اتارا گیا۔

سانحہ 'لیاقت باغ' کے ردعمل میں ایک طرف ملک کے طول وعرض میں لوٹ مار کا بازار گرم تھا، بینک، پٹرول پمپ، نجی وسرکاری املاک نذر آتش کی جا رہی تھیں۔ ملک اور سماج دشمن عناصر ریلوے کی تنصیبات کو تباہ کر رہے تھے۔ ایسے میں حاجی اسمٰعیل بلوچ نے سانحہ پر غمزدہ ہونے کے باوجود رواداری، اخوت اور ایثار کی وہ اعلیٰ مثال پیش کی جس کا ذکر ہم نے بزرگوں سے 1947ء میں قیامِ پاکستان کے وقت سنا تھا جب سندھی بھائیوں نے مہاجرین کا بے مثال اکرام کیا تھا۔ بدقسمتی سے پاکستان میں اسلام کے نفاذ سے پہلو تہی کر کے ہم نے اپنی اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا اور آج ہم مختلف قومی عصبیتوں کا شکار ہیں۔ مایوسی کے اِن گھٹا ٹوپ اندھیروں میں حاجی اسمٰعیل بلوچ کا کردار بلاشبہ امید کا ایک چراغ ہے۔ شائد اس ایک چراغ کا تذکرہ سن کر مزید کئی چراغ جل اٹھیں، ہم میں پھر سے اسلامی اخوت کا جذبہ بیدار ہو جائے، نفاذِ اسلام کی بھولی ہوئی منزل ہمیں یاد آ جائے اور ہم اس کی طرف ایک بار پھر پیش قدمی شروع کر دیں۔ اللہ ہماری نیک تمنائیں پوری فرمائے۔ (آمین)

تیرے غضب سے تیری رحمت کی پناہ

اوریا مقبول جان

جس صاحب نظر سے ملو، اس کے چہرے کو غور سے دیکھو، اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرو تو یوں لگتا ہے جیسے ایک پریشانی اور اضطراب ہے جو جھلکتا نظر آتا ہے۔ ایسا اضطراب جو کشتیوں کے ملاحوں کے چہرے پر سمندروں پر بادل امڈتے، طوفانی ہواؤں کو اپنی سمت بڑھتے ہوئے دیکھ کر نظر آنے لگتا ہے۔ ہر کوئی ایک دوسرے سے یہی درخواست کرتا پھر رہا ہے، دعا کریں، ہم پر بہت کڑا وقت آ گیا ہے۔ ہمارے اعمال کی سزا ملنا شروع ہو گئی ہے۔ یوں لگتا ہے ساٹھ سال سے جو ڈھیل ہمیں دی گئی تھی، اب اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اب کارکنان قضا و قدر نے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر اس صفائی کا آغاز کر دیا ہے جو کسی تعفن زدہ معاشرے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ ہر صاحب نظر کی آنکھ نم ہے، دل پریشان ہے اور دعاؤں میں ہچکیوں کی صورت بندھی ہوئی آہیں اور سسکیاں ہیں۔ ہر کوئی اس مملکت خداداد پاکستان کی بقا و سلامتی کی دعاؤں میں مصروف ہے اور ہر کسی سے صرف ایک ہی التجا کرتا ہے کہ اس سے پہلے کہ در توبہ مقفل کر دیا جائے، اس سے پہلے کہ آندھیاں اور طوفان اور عذابوں کے قافلے ہمیں گھیر لیں، اللہ کے سامنے گڑگڑا کر استغفار کر لو، اپنے اعمال کی، اپنی کوتاہیوں کی، ظلم پر اپنی خاموشی کی۔ تاکہ اللہ اس طوفان کا رخ پھیر دے جو میرے وطن کے سر تک آ پہنچا ہے۔

میں کہ جو ایک کوتاہ نظر، گناہ گار اور کم مایہ شخص ہوں وہ ان صاحبان نظر کو دیکھتا ہوں، جنہیں اللہ نے بصیرت اور بصارت عطا کی ہے تو خوف سے کانپ اٹھتا ہوں۔ مڑ کر اپنے گزرے ہوئے سالوں پر نگاہ پڑتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے میرے جیسے لوگوں کے گناہ، بداعمالیاں اور مصلحتیں اتنی شدید ہیں کہ شاید آنسوؤں کے سمندر اور ہچکیوں سے مانگی ہوئی معافی کی درخواستیں بھی قبولیت کا مقام حاصل نہ کر سکیں۔ وہ خوف جس سے آج اس ملک کا ہر مومن صفت برگزیدہ شخص کانپ رہا ہے وہ کس قدر شدید ہو گا، اگر میری قوم کو اس کا احساس ہو جائے تو حضرت یونسؑ کی قوم کی طرح سجدے میں گر جائے، اللہ سے پناہ کی طالب ہو جائے، امان مانگے۔

سید الانبیاءؐ کی حدیث پڑھتا ہوں تو خوف اور غالب آ جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”جس وقت غنیمت کو ذاتی دولت ٹھہرایا جائے، امانت کو غنیمت سمجھا جائے، زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے، آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے، اپنی ماں کی نافرمانی کرے، اپنے دوست کو نزدیک اور اپنے باپ کو دور رکھے، فاسق و فاجر شخص اپنے قبیلے کا سردار ہو، قوم کا سربراہ ذلیل اور کمینہ شخص ہو، آدمی کی عزت اس کے شر کے ڈر سے کی جائے، گانے بجانے والیاں اور باجے ظاہر ہوں، شراب پی جائے اور امت کے لوگ اپنے سے پہلے گزر جانے والوں پر لعنت بھیجیں تو پھر انتظار کرو سرخ ہواؤں کا، زلزلوں کا، زمین کے دھنس جانے کا، پتھروں کے برسنے کا، اور پے در پے نشانیوں کا جیسے موتیوں کی لڑی ٹوٹ جائے اور دانے پیہم گرنے لگیں۔“ سید الانبیاءؐ کی مسند احمد میں موجود ایک اور حدیث میرے خوف میں اضافہ کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”اللہ عام لوگوں پر خاص لوگوں کے عمل کے باعث اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا جب تک ان میں یہ عیب پیدا نہ ہو جائے کہ اپنے سامنے برے اعمال ہوتے دیکھیں اور انہیں روکنے کی قدرت رکھتے ہوں مگر نہ روکیں۔ جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں تو اللہ عام اور خاص سب پر عذاب نازل کرتا ہے۔“

گزرے سالوں پر غور کرتا ہوں تو نگاہیں ساٹھ سال قبل اس سرزمین پر داخل ہونے والے لٹے پٹے قافلوں کی جانب لوٹ جاتی ہیں۔ بے سروسامان لوگ، جن کے پیارے راستوں میں مار دیئے گئے، جن کا کل اثاثہ لوٹ لیا گیا، جن کی عفت مآب بیٹیوں بہنوں نے عصمتوں کی قربانی دی لیکن بلکتے، زخموں سے چور یہ لوگ جب اس سرزمین پر پہنچے تو سجدہ ریز ہو گئے۔ آنکھوں سے تشکر کے آنسو امڈ پڑے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کے رب نے انہیں ویسے ہی بدترین غلامی سے نجات دی ہو جیسے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے چھڑایا تھا اور اس بدترین غلامی کا نظارہ میں نے بھارت کے اٹھارہ شہروں میں گھومنے کے بعد یوں دیکھا کہ بنارس، اورنگ آباد اور ممبئی جیسے شہر جہاں مسلمان کسی طور بھی چالیس فیصد سے کم نہیں، وہاں وہ اس قدر خوفزدہ، بے اطمینان اور مضطرب ہیں جیسے ان کی ذرا سی خطا ان کے گھر جلا کر راکھ کروا دے گی، عصمتیں تار تار ہو جائیں گی اور اولاد آنکھوں کے سامنے تڑپتی جان دے دی گی۔

لیکن ان ساٹھ سالوں میں ملنے والی اس جائے امان کے ساتھ ہم نے کیا کیا۔ وہ سرزمین جسے نہ ہم نے اپنے خون سے سینچا تھا اور نہ ہی اپنی جدوجہد سے حاصل کیا تھا بلکہ عطائے خداوند قدوس تھی، ہم نے اس کے کونے کونے کو ظلم زیادتی، بے انصافی، جبر اور استحصال سے بھر دیا۔ ہم نے سوچا تک نہیں کہ یہ سرزمین تو ہمارے پاس امانت تھی۔ کیا ہم نے اپنے بدمعاشوں، اپنے تھانیداروں، اپنے حکمرانوں کی عزت ان کے شر کی وجہ سے نہیں کی۔ کیا ہم نے فاسق اور فاجر لوگوں کو اپنے قبیلوں کا سربراہ نہیں بنایا۔ کیا ہم نے قوم کا سربراہ چنتے ہوئے کبھی سوچا کہ اُس کن خصلتوں کا امین ہونا چاہیے۔ ہم پر جو مسلط ہو گیا ہم نے اسے تسلیم کر لیا۔ سید الانبیاءؐ نے فرمایا کہ اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام انبیاء کی لعنت اس شخص پر جو طاقت کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کرے اور شریف لوگوں کو ذلیل کرے اور کمینوں کو عزت دے۔ ہم خاموش رہے۔ ہم بے حس ہو گئے۔ ہمارے سامنے ہر روز 15 کے قریب لوگ بھوک اور افلاس سے تنگ آ کر خودکشی کرتے رہے اور ہمارے بڑے بڑے ہوٹل مرغن کھانا کھانے والوں سے آباد رہے۔ ہمارے سامنے گھروں کے گھر بارود کے دھوئیں اور بموں کی کرچیوں سے اڑتے رہے، معصوم بچوں کی قطار در قطار لاشیں دفن ہوتی رہیں اور ہم اپنے گھروں کے آرام دہ صوفوں پر بیٹھے ٹیلی ویژن سکرین پر منظر دیکھتے رہے، تنگ آ کر چینل بدلتے رہے۔ معصوم بچیاں بموں کی گھن گرج میں اپنے پیاروں کی خون آلود لاشیں گود میں رکھ کر آسمان کی سمت دیکھتیں رہیں اور اپنے اللہ کے حضور پیش ہونے تک یہ سوچتی رہیں کہ اس مملکت خداداد پاکستان میں کتنے ہوں گے جو اپنی بیٹیوں کو گلے سے لگائے پیار سے میٹھی نیند سو رہے ہوں گے۔ میرے گناہوں اور میری خاموشیوں کی تفصیل طویل ہے۔ اس ملک کے سولہ کروڑ لوگ طاقت رکھتے تھے اس ظلم اور زیادتی کے خلاف کھڑے ہونے کی لیکن ان کی مصلحتیں ان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔ کسی کا کاروبار تھا، کسی کی نوکری اور کسی کا مستقبل۔

لیکن میرا خوف میرا ساتھ نہیں چھوڑ رہا۔ میں صاحبان نظر کی آنکھوں میں آنسو اور چہروں پر خوف دیکھ رہا ہوں۔

اے میرے اللہ! ہم پر رحم فرما۔ ہم کمزور ہیں، ہم گناہ گار ہیں، ہماری خطائیں معاف فرما۔ اگر تو نے فیصلہ کر لیا کہ ہر خاص و عام پر عذاب مسلط کر دے، پھر تو خواص کی دعائیں بھی نامراد لوٹ آئیں گی۔ ناکام و نامراد۔ ایسے میں ہم کہاں جائیں گے، ہم برباد ہو جائیں گے۔ اے میرے اللہ! ہم تیرے غضب کے مقابلے میں تیری رحمت سے پناہ مانگتے ہیں۔ بے شک تیری رحمت تیرے غضب سے بالاتر ہے، ہم پر رحم فرما۔ سید نا زین العابدین کی دعا زبان پر ہے۔ اللہ میں تیرے غضب سے تیری رحمت کی پناہ چاہتا ہوں۔ (بشکریہ روزنامہ ”ایکسپریس“)

تنظیم اسلامی لاہور شرقی کا ماہانہ تربیتی اجتماع

15 دسمبر 2007ء کو مسجد بلال میں تنظیم اسلامی لاہور شرقی کے ماہانہ تربیتی اجتماع منعقد ہوا۔ اجتماع کا آغاز درسِ قرآن سے ہوا۔ بعد نمازِ مغرب حافظ عبداللہ محمود نے سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع کی روشنی میں درس دیا۔ انہوں نے کہا کہ سورۃ البقرہ کا سورۃ الفاتحہ کے ساتھ معنوی ربط و تعلق ہے۔ سورۃ الفاتحہ میں بندۂ مومن کو ہدایت مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے اور سورۃ البقرہ میں واضح کیا گیا کہ یہ کتاب بطور ہدایت پیش کی گئی ہے، لیکن یہ ہدایت ان لوگوں کے لئے ہے جو تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں۔ درس کے بعد راقم نے حفظِ قرآن کے سلسلے میں سورۃ الحج کی آیات 34 اور 35 حفظ کروائیں اور ان کا ترجمہ بھی سنایا۔ بعض شرکاء نے تھوڑے ہی وقت میں یہ آیات زبانی سنا دیں اور باقی شرکاء کو آئندہ پروگرام میں سنانے کے لئے کہا گیا۔ پچھلے پروگرام میں سورۃ الکہف کی آیات 46 تا 48 کا حفظ کروایا گیا تھا۔ اس کی دُہرائی بھی کروائی گئی تاکہ قرآن مجید کا جو حصہ حفظ کیا گیا ہے اس کو اپنے حافظے میں ازبر کیا جائے۔ اس کے بعد جناب رشید ارشد نے، جو ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے ذرا تاخیر سے پہنچے تھے، اصلاحِ نفس کے موضوع پر بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ انسان پر جب بھی کوئی مشکل یا تکلیف آئے اُسے صبر اور ہمت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ تزکیۂ نفس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہمیں چاہیے کہ تزکیۂ نفس کی اہمیت کو اُجاگر کریں اور اس سلسلے میں عملی قدم بھی اٹھائیں۔ بقول مولانا اشرف علی تھانویؒ اصلاحِ نفس اور تزکیۂ نفس اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان نیک اعمال کے لئے اپنی کسل مندی کو ختم کر کے اُن پر عمل کرے اور گناہوں سے بچنے کے لئے اپنی سعی و کوشش استعمال کر کے انہیں ترک کرے۔ جناب رشید ارشد کے بیان سے شرکاء بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی گئی۔ بعد ازاں جناب عبداللہ محمود نے تعلق مع اللہ بذریعہ دُعا کے موضوع پر گفتگو کی۔ انہوں نے اپنی گفتگو کے دوران دُعا کی اہمیت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا۔ اس کے بعد انیل اقبال نے "فلسفۂ قربانی اور حج" نہایت لطیف پیرائے میں بیان کیا۔ آخر میں مقامی امیر تنظیم جناب عرفان طاہر نے رفقاء کو تنظیمی پروگراموں کی اطلاعات دیں اور رات کے کھانے کے بعد رفقاء اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ (رپورٹ: ذیشان دانش خان)

اسرہ شہداد کوٹ کے زیر اہتمام اتحادِ امت کانفرنس

اسرہ شہداد کوٹ حلقہ بالائی سندھ کے زیر اہتمام "فہم دین اور اتحادِ امت" کانفرنس ہوئی۔ کانفرنس کا آغاز بعد نمازِ عشاء جامعہ بیت القرآن کراچی کے مہتمم قاری سکندر حیات کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد "اتحادِ امت" کے موضوع پر کراچی سے آئے ہوئے رفیق تنظیم مفتی فیصل خورشید احمد نے اپنے تاثرات حاضرین کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے۔ آپ نے فہم دین کے موضوع کو سہل انداز میں تفصیلاً بیان کیا۔ اور ساتھ ساتھ پروجیکٹر پر Presentation بھی دکھائی گئی۔ اس پروگرام میں مختلف مکاتبِ فکر کے لوگوں نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ رفقاء اور احباب کی بھرپور حاضری رہی۔ لیکچرز کے آخر میں حاضرین کی طرف سے کئے گئے سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ جناب ظہیر احمد شیخ کی دعا سے اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ (رپورٹ: حافظ محمد افسر کمبوہ)

حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام مظاہرہ

27 دسمبر کو سہ پہر تین بجے حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام مرکز کی ہدایت پر "اسلام کے معاشرتی نظام" کے حوالے سے ایک مظاہرہ پریس کلب کراچی کے سامنے منعقد کیا گیا۔ اس مظاہرے کے لیے بینرز اور 4000 ہینڈ بلز طبع کروائے گئے تھے۔ مظاہرے کا آغاز حلقہ کے ناظم دعوت جناب عامر خان کی تقریر سے ہوا۔ انھوں نے کہا کہ اغیار کے سیاسی اور معاشی نظام کا ہم پر پہلے ہی غلبہ ہو چکا ہے اور اب ہمارا معاشرتی نظام اُن کی زد میں ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ اہل وطن کو عریانی و فحاشی کے ایک سیلاب کا سامنا ہے حالانکہ ہمارے دین کا بنیادی وصف حیا ہے۔ ہمارا ازلی دشمن شیطان چاہتا ہے کہ وہ ہم میں عریانی و فحاشی کو فروغ دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو مسلمانوں کے معاشرے میں عریانی و فحاشی کا فروغ چاہتے ہیں دُنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب کی وعید کی ہے۔ انجینئر نوید احمد نے کہا کہ حکومت لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔ بے روزگاری اور مہنگائی کے نتیجے میں معاشرے میں جرائم میں اضافہ ہو گیا ہے اور عریانی و فحاشی جنسی انارکی کو فروغ دے رہی ہے۔ اسلام نے عورت کو ستر و حجاب کے ذریعہ اس کی عصمت و عفت کی حفاظت کا اہتمام کیا تھا لیکن ہمارے اربابِ اختیار نے اسے خاتونِ خانہ سے شمعِ محفل بنانے کا عزم کر رکھا ہے۔ سید نعمان اختر نے کہا کہ ہمارا ملک اسلام کی بنیاد پر قائم ہوا تھا اور اس کی آبادی کی عظیم اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اگر یہاں اسلام کا معاشرتی نظام نافذ ہو جائے تو اس سے اسلامی معاشرتی اقدار پروان چڑھیں گی اور برائیوں کا خاتمہ ہو گا۔ ہم نے مغرب کی پیروی کر کے اللہ سے بغاوت کی روش اختیار کر رکھی ہے۔ مغرب میں خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔ عورت اور مرد بغیر نکاح کے اکٹھے رہتے ہیں اور اس کا فخریہ اظہار کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے ہم جنس پرستی کو اب وہاں قانونی شکل دی جا رہی ہے۔ والدین اولاد کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہے کے انہیں بڑھاپے میں اولڈ ہوم کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ جبکہ اسلام نے جہاں والدین کو اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا ذمہ دار بنایا ہے، وہاں اولاد کو بھی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس ٹوٹ پھوٹ کے شکار معاشرے کی اقدار کو ہم اپنے ہاں درآمد کرنا چاہتے ہیں۔ میڈیا کو چاہیے کہ وہ اسلام کے معاشرتی اقدار کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرے۔ اس موقع پر امیر حلقہ سندھ زیریں جناب محمد نسیم الدین کی جانب سے ایک پریس ریلیز جاری کیا گیا، جس میں کہا گیا کہ اسلام کا معاشرتی نظام ستر و حجاب کے ذریعہ عورت کی عزت و عصمت کا تحفظ کرتا ہے۔ اس نے مرد پر کفالت کی ذمہ داری ڈال کر عورت کو بچوں کی پرورش کے ذریعہ قوم کو باکردار افراد کی فراہمی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس کے برعکس مغرب کے معاشرتی نظام کی بنیاد عریانی و فحاشی کے فروغ پر ہے۔ اس نے عورت کو مساواتِ مرد و زن کا نعرہ دے کر اس کا استحصال کر رکھا ہے جس کے نتیجے میں عورت پر اندرونِ خانہ ذمہ داریوں پر مستزاد معاشی جدوجہد کی ذمہ داری بھی آ گئی ہے اور مغرب کے مخلوط معاشرہ نے زنا کو عام کر دیا ہے جس کے نتیجے میں عورت کی عفت و عصمت محفوظ نہیں۔ مغربی معاشرہ کا حال سابق امریکی صدر بل کلنٹن کے اس بیان سے ظاہر ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ عنقریب امریکی قوم کی اکثریت ان افراد پر مشتمل ہو گی جو شادی کے بندھن میں بندھے بغیر پیدا ہوئے ہوں۔ افسوس کہ روشن خیالی اعتدال پسندی کے نام پر مغرب کی ناکام تہذیب کو حکومتی سرپرستی میں نافذ کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

آخر میں جناب عامر خان صاحب کی دعا پر مظاہرہ اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی راہ میں اس حقیر سی کوشش کو قبول فرمائے اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

اُسرہ نوشہرہ کینٹ کا عید ملن پروگرام

اُسرہ نوشہرہ کی یہ کوشش ہے کہ کوئی بھی ملاقات کا موقع ہو اُسے بامقصد بنایا جائے۔ عید کے موقع پر جس طرح ایک خاندان کے افراد خوشی میں شریک ہوتے ہیں، بالکل اس طرح اُسرہ یعنی تنظیمی خاندان کے ارکان بھی اللہ کی رضا کے لئے آپس میں ملیں، ایک دوسرے کے احوال سے آگاہ ہوں۔ اس سلسلے میں اُسرہ نوشہرہ نے 21 دسمبر 2007ء بروز جمعۃ المبارک بوقت شام 5 بجے عید کے پہلے دن اجتماعی ملاقات کا پروگرام منعقد کیا۔ رفیق تنظیم جناب عامر صدیقی کے گھر پر یہ پروگرام منعقد ہوا جو کہ دریائے کابل کے قریب ہے۔ رات کے کھانے اور نمازِ عشاء کے بعد جناب قاضی فضل حکیم نے "عید الاضحیٰ اور فلسفۂ قربانی" کے حوالے سے بیان کیا، جس میں انہوں نے بتایا کہ قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی مبارک زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اللہ کے لئے سب کچھ قربان کرنے کا عزم کرنا چاہیے۔ یہ پروگرام اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد پروگرام تھا اور رفقاء نے اسے پسند کیا۔ اس پروگرام میں 7 رفقاء نے شرکت کی۔ (مرتب: جان نثار اختر)

افغان ٹی وی کو لگام دیں

افغانی علمائے کرام نے صدر حامد کرزئی سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ٹیلی ویژن اسٹیشنوں کو لگام دیں جو بے حیائی اور فحاشی پھیلانے والے پروگرام نشر کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حامد کرزئی نے وزیر اطلاعات کو حکم دیا ہے کہ وہ علمائے کرام کی شکایت دور کرنے کے سلسلے میں اقدامات کریں۔ یاد رہے، 2001ء میں طالبان حکومت ختم ہونے کے بعد افغانستان میں بارہ تیرہ ٹی وی اسٹیشن قائم ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ مغربی فلمیں اور ناچ گانے کے پروگرام پیش کرنے میں مصروف ہیں۔ تاہم غیرت ایمانی سے سرشار افغانیوں کی اکثریت ایسے پروگراموں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی۔

صدر بش کا دورۂ مشرق وسطیٰ

امریکی صدر بش اس ہفتے سے مشرق وسطیٰ کا دورہ کر رہے ہیں۔ اس دوران وہ پہلی بار مغربی کنارے بھی جائیں گے۔ نیز اسرائیل، کویت، بحرین، امارات، سعودی عرب اور مصر بھی ان کے شیڈول میں شامل ہے۔ انہوں نے اسرائیلی اور فلسطینی رہنماؤں پر زور دیا ہے کہ وہ مل بیٹھ کر اپنے اختلافات دور کریں۔

کوسووہ کی پارلیمان کا قیام

کوسووہ کی نئی پارلیمان نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ یہ تاریخی پارلیمان ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ پچھلے ماہ کوسووہ میں انتخابات سے قبل تمام سیاسی جماعتوں نے اعلان کر دیا تھا کہ نئی پارلیمان قائم ہوتے ہی کوسووہ کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے گا۔ 1999ء میں اقوام متحدہ کے کنٹرول میں آنے کے بعد یہ قائم ہونے والی تیسری پارلیمنٹ ہے۔

افغانستان میں غذا کا بحران

افغان وزیر معاشیات محمد امین فرہنگ نے ایک جرمن اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ افغانستان آنے والے مہینوں میں غذا کے شدید بحران سے دوچار ہو سکتا ہے۔ اس موسم سرما میں غریب افغانیوں کا پیٹ بھرنے کے لیے چار لاکھ ٹن گندم کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ افغان حکومت کے پاس پٹرول، چینی اور آٹے کا بھی وافر ذخیرہ نہیں ہے۔

محمد امین کا کہنا ہے کہ حالات بہت خطرناک ہیں۔ اناج خریدنے کے لیے 80 ملین ڈالر درکار ہیں اور افغان حکومت کے پاس اتنی بڑی رقم موجود نہیں۔ انہوں نے غذا فراہم کرنے والے بین الاقوامی اداروں سے اپیل کی ہے کہ وہ لاچار اور بے بس افغانیوں کی مدد کریں۔ محمد امین نے بتایا کہ عالمی مارکیٹ میں گندم کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں جبکہ پاکستان میں سیاسی بحران کے باعث وہاں سے غذا آنے میں رکاوٹیں درپیش ہیں۔ انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ موسم سرما کی آمد سے قبل حکومت وافر گندم کا ذخیرہ کرنے میں ناکام ہو گئی۔ تاہم افغان وزیر معاشیات نے اس ناکامی کا سبب جاری خانہ جنگی کو قرار دیا۔

یاد رہے، 2007ء میں امدادی کارروائیوں میں مصروف ایک سو سے زائد کارکنوں کو مختلف افغان گروپوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے خوراک کے 55 قافلے بھی لوٹ لیے جو غریب افغانوں کے لیے غذائی امداد لے کر جا رہے تھے۔ افغانستان میں اس وقت طالبان ہی برسرپیکار نہیں بلکہ بڑھتی لاقانونیت سے فائدہ اٹھا کر منشیات کے تاجروں، مجرموں اور مقامی سرداروں نے بھی اپنے گروہ بنا لیے ہیں۔

پاکستان کے لیے F-16 طیارے

امریکا نے طیارہ ساز کمپنی لاک ہیڈ مارٹن کو حکم دے دیا ہے کہ وہ پاکستان کے لیے 18 ایف سولہ طیارے تیار کرنا شروع کر دے۔ یہ طیارے 2010ء میں پاکستان کے حوالے کیے جائیں گے۔

یروشلم کی تقسیم ممکن ہے؟

اسرائیل کے وزیراعظم یہود اولمرٹ نے مقامی اخبار دی یروشلم پوسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے پہلی بار اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یروشلم دو حصوں میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ یاد رہے، فلسطینی چاہتے ہیں کہ یروشلم یا بیت المقدس کا مشرقی حصہ انہیں دے دیا جائے تاکہ اُسے مستقبل کی فلسطینی ریاست کا دارالحکومت بنایا جا سکے۔ اس سلسلے میں اولمرٹ کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی دباؤ اور مسئلہ فلسطین حل کرنے کے سلسلے میں ایسا ہو سکتا ہے۔

دوران انٹرویو اولمرٹ نے اقرار کیا ”دنیا کے بیشتر ممالک چاہتے ہیں کہ اسرائیل ان تمام علاقوں سے دستبردار ہو جائے جو اس نے 1967ء کی جنگ میں ہتھیائے تھے۔ اس کے علاوہ وہ یروشلم کی تقسیم بھی چاہتے ہیں تاکہ مسئلہ فلسطین پرامن انداز میں حل ہو جائے۔“

اسرائیل نے 1967ء کی جنگ میں یروشلم پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد کو اسرائیلیوں نے اُسے اپنا دارالحکومت قرار دے ڈالا۔ لیکن عالمی ممالک کی اکثریت نے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا۔ اسی لیے انہوں نے تل ابیب میں اپنے سفارت خانے کھول رکھے ہیں۔ اسرائیل کا سرکاری بیان جو کشمیر کے سلسلے میں بھارتیوں سے ملتا جلتا ہے، یہی ہے کہ یروشلم ہمارا اٹوٹ انگ ہے۔ اولمرٹ نے یہ حقیقت بھی تسلیم کی کہ امن معاہدے کے سلسلے میں اسرائیل کی پیش رفت تسلی بخش نہیں۔ فلسطینی خصوصاً اس امر پر پریشان ہیں کہ اسرائیلی ان علاقوں میں نئی یہودی بستیاں بسائے چلے جا رہے ہیں جنہیں امن معاہدے کی رو سے مستقبل کی فلسطینی ریاست میں شامل ہونا ہے۔ اسی لیے فلسطین اتھارٹی کے صدر محمود عباس نے صدر بش سے اپیل کی ہے کہ وہ دورۂ اسرائیل کے دوران اس موضوع پر اسرائیلی حکومت سے ضرور بات کریں۔

آزاد فلسطینی ریاست کے قیام میں یروشلم کا معاملہ چند بنیادی رکاوٹوں میں سے ایک ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اولمرٹ یروشلم کی تقسیم کا موضوع چھیڑ کر سیاست دانوں اور عوام کی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ چند دن قبل اولمرٹ کا نائب اور دست راست، حیم رامون کہہ چکا ہے کہ ضروری ہوا، تو یروشلم کے چند مخصوص مقامات کو بین الاقوامی تحفظ دیا جا سکتا ہے۔

محمود عباس اس امر سے بھی پریشان ہیں کہ اسرائیلی فوج نے مغربی کنارے کی سڑکوں پر جابجا اپنی چوکیاں قائم کر رکھی ہیں۔ چوکیوں کے باعث فلسطینیوں کی آزادانہ نقل و حرکت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ محمود عباس کا کہنا ہے ”ہر ملاقات کے دوران اسرائیلی کہتے ہیں کہ بس ایک دو دن میں یہ چوکیاں ہٹ جائیں گی لیکن نہ معلوم وہ دن کب آئے گا۔ ان چوکیوں کی وجہ سے ہماری روزمرہ کی زندگی بہت متاثر ہوئی ہے۔“ اُدھر وزیر دفاع یہود باراک کا کہنا ہے کہ ”ان چوکیوں کے باعث ہی اسرائیل میں دہشت گردی کے حملے کم کرنے میں مدد ملی ہے، لہٰذا فی الحال انہیں نہیں ہٹایا جا سکتا۔“

بنگلہ دیش بھی مہنگائی کی زد میں

پٹرول کی بڑھتی قیمتوں، سمندری طوفانوں اور قحط کے باعث بنگلہ دیش میں بھی مہنگائی عروج پر پہنچ گئی ہے۔ اس نے خصوصاً غریبوں کی چیخیں نکلوا دی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک جو چاول 20 ٹکے میں فروخت ہو رہے تھے، وہ اب 40 ٹکہ فی کلو تک جا پہنچے ہیں۔ فوج نے رعایتی اسٹال قائم کر دیے ہیں لیکن وہ صرف شہروں تک محدود ہیں۔ جبکہ بنگلہ دیشیوں کی بیشتر آبادی دیہات میں رہتی ہے۔

حکومت کا کہنا ہے کہ پٹرول کی بڑھتی ہوئی بین الاقوامی قیمت نے مہنگائی کو بڑھاوا دیا ہے۔ اس کے علاوہ بے ایمان تاجروں نے بھی مصنوعی مہنگائی پیدا کر دی ہے۔ حکومت نے اس سلسلے میں اقدامات کیے ہیں مگر انہیں مناسب نہیں کہا جا سکتا۔